

شمس الاسلام بھیرہ

حزب الانصار

(بھیرہ کے مددگاروں کا گروہ)

پنجاب کا سب سے بڑا اسلامی تبلیغی ادارہ جو ۱۹۶۹ء سے اسلامی خدمت میں سرگرم ہے جامع مسجد بھیرہ کی عظیم الشان عمارت کی صورت دارالعلوم عزیزہ بھیرہ کا اجراء اور اس کے ماتحت کئی جگہ مدارس عربیہ کا قیام دارالمبلغین سالانہ تبلیغی کانفرنس غرض ہر طریقہ سے مسلمانوں کی تعلیمی - اقتصادی اور معیشتی اصلاح اور تنظیم کے لئے مواصلات مسماعی جاری ہیں جماعت کا ترجمان جویدہ شمس الاسلام ہر ماہ بھیرہ سے شائع ہوتا ہے - حزب الانصار کے قائم کردہ دینی اداروں کی امداد اور جویدہ شمس الاسلام کی توسیع اشاعت میں حصہ لے کر اور جماعت کے معاون بن کر ثواب داران حاصل فرمائیں -

افتخار احمد بگٹی کان اللہ

ایڈیٹر حزب الانصار بھیرہ پنجاب

پیامِ حبیب حضرت نالہ الخ ہو کر صابا کوئی نور اللہ میر قیہ

تحت لاد آسہ

مرزا الحاج افتخار احمد صاحب بگٹی، بھیرہ خزانہ

مدیر مسئول
علامہ حسین

مترجم
عوام ہے -
معاذین ہے -
طلبہ ہے -

من الرغبات البغية

دوبلہ لکھ کر دیکھو

في يوم الاثنين الثاني عشر من شهر ربيع الثاني سنة ١٢٨٥

۷۸۶

ہر انگریزی ماہ کی گیارہ تاریخ کو
پانچویں وقت شائع ہوتا ہے

(بھیرہ)

شمس السلام

میدر اعجازیہ سید سیاح الدین کا کاخیل

جلد ۲۱ | صفر للظفر ۱۳۷۰ | مطابق ماہ نومبر ۱۹۵۰ | شمارہ ۱۱

فہرست

۴	بزم انصار
۱۱	حضرت عمر رضی تاؤ فیہ (نظم)
۵	اسلام اور سرمایہ داری
۱۱	چار پھول (نظم)
۱۲	تعلیمات اسلامی
۱۳	منتخبات القرآن
۱۳	باب الحدیث
۱۵	مذہبی حکومت کے متعلق غلط فہمی کا سبب
۲۳	ہم کیوں مسلمان ہیں ؟
۳۰	تذکرۃ الکرام
۳۴	انسان اور تکمیل نفس
۳۹	دولت مند فقیر

ترسیل زر خط و کتابت کا پتہ
مبیرہ سالہ شمس السلام جامع مسجد بمبیرہ (پاکستان)



ہندوستان والے اپنا چنلہ
حاجی فضل آئی بعد الحید صاحبان کمیشن
ایجنٹس ماہ ذی قعد مسجد شریف بمبئی
دہندوستان (کو بذریعہ منی آرڈر روانہ کریں)



بدل اشتراک

نمونہ کے لئے ہر کے ٹکٹ ار سال کریں	
سالانہ عوام سے	۱۰
معاونین سے	۵
طلبہ سے	۲
فی پرچہ	۱

ایڈیٹر - پرنٹر - پبلشر - غلام حسین مطبوعہ ثنائی برقی پریس سرگودھا دفتر جریہ شمس السلام جامع مسجد بمبیرہ

بزم انصاری!

گائیکہ کی جہان انصاری

دارالمبایعین مولوی محمد عظیم صاحب مبلغ خزانہ انصار نے کیس پور۔ مرزا۔ راولپنڈی، سروال، علاقہ چکوال۔ دھکیوال، ٹھٹھی جنگا، کھوکھر، گمناں وغیرہ وغیرہ علاقہ کا دورہ کیا۔ اور مواعظ حسنہ سے لوگوں کو مستفید کیا *	طلباۓ دارالعلوم عزیزیہ سے ماہی امتحان کی تیاریوں میں نہایت تندہی کے ساتھ مصروف ہیں۔ دارالقرآن کے قرآن خوان اور حفظ کرنے والے طلبہ بھی نہایت شوق کے ساتھ کام میں لگے ہوئے ہیں۔ الغرض بھلا اللہ ہر طرح کامیابی کیساتھ تعلیمی سلسلہ جاری ہے۔
--	---

حضرت عمرؓ کی تادیب نفس

(از مولوی غلام مصطفیٰ صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل جی کیل مزنگ لاہور)

اگر روزِ جاہلہ تھے کہیں حضرت عمرؓ کی عرض ایک شخص سے تے میں امیر فرمایا آج نفس تھا کچھ مائل غرور	پُر آب مشک سے تھی خمیدہ ہوئی کمر زیبا نہیں حضور کو یہ بوجھ پشت پر تادیب اس کے واسطے لازم تھی مختصر!
---	---

دیتے تھے وہ زہد و ریاء کو ہاتھ سے

رکھتے تھے زیرِ نفس کو ہر حال میں عمرؓ

اسلام اور سرمایہ داری

(ادارہ)

اخلاق کی جگہ نفس پرستی، عیاشی، اولذات اندوہی کا دور دورہ ہر نزدیکی، کمزوری، دیورہ گری، خستہ حالی، نوشاد و پاپوسی، اغیار نوازی اور سرمایہ دارانہ جمہوریت، مالک اسلامیت کا طرہ اغیار ہے۔ اسپر فغان، حص بالائے قیامت، خادجی مورتات کو محسوس کرنے اور خدا صفا دوع ما کدر کے اصول پر جس کرنیکی قابلیت سلب ہو چکی ہے۔ داخلی ضروریات اور خادجی حالات کا صحیح طور پر اندازہ لگانے اور اصلاح و تعمیر کا حق ادا کرنے کی صلاحیت تمام مالک اسلامیت محروم ہیں۔

اس مختصر حال کا نتیجہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان مجبور ہیں کہ یا تو اینگلو امریکی سامراجیت کو اپنا قبیلہ عاجات سمجھیں۔ یا روس کی فسطائیت کے سامنے گھٹنے ٹیک کر زندگی کی بھیک مانگیں۔ حالانکہ اشتراکیت اور سرمایہ داری ہی وہ نہر بلا ہے جسے انسانیت سبک سبک اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ رہی ہے۔ روس میں بھی انسانیت دم توڑ رہی ہے۔ اور امریکہ و برطانیہ میں بھی انسانیت کا جھٹکا کیا جا رہا ہے۔

چونکہ سرمایہ داری کے ہاتھوں ساری دنیا نالائش۔ ساری دنیا مزدور اس ملعون ڈائن کو کھا جاتا ہے ہیں۔ اسلئے سرمایہ دارانہ جمہوریت کے علمبردار بھی مجبور ہیں کہ سرمایہ داری پر بغض بھیجیں، مزدور اور محنت کش طبقتوں کی حمایت و ہمدردی اور نمائندگی کا دم بھریں۔ محاشی انصاف کا غور لگائیں۔ اور اس جلسہ بازی و فریب کاری خلق خدا کو دھوکہ دیں اور مزدوروں کو احمق بنا کر اپنا اتو سیدھا کریں۔

اس جلسہ بازی و فریب کاری میں غیر مسلم سرمایہ داروں اور جاگیر داروں کے ساتھ مسلمان سرمایہ دار و جاگیر دار بھی برابر کے شریک ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اپنے گمراہ کن فکر و عمل پر اسلام کا لیس لگا کر اپنے ساتھ اسلام کو

آج ساری دنیا میں مزدور اور سرمایہ دار کی جنگ برپا ہے۔ اقوام و ممالک عالم یا روسی اشتراکیت کے حامی ہیں۔ اور یا سرمایہ دارانہ جمہوریت کے علمبردار۔ تمام دنیا کے مفکر و مدیر، ادیب و خطیب، شاعر و لیڈر اور ارباب علم و عقل اپنی اپنی پسند اور سمجھ کے مطابق دو محاذوں پر جمع ہو گئے ہیں۔ زمانہ کی قسم ظیفی اور انسانوں کی سب سے بڑی حماقت و نادانی یہ ہے کہ اسمیں کا فر مومن اور مادہ پرست و خدا پرست کی بھی تمیز اور فرق و امتیاز باقی نہیں رہا۔ افراد و اقوام عالم کے سامنے سر سے حق و باطل، خیر و شر اور جائز و ناجائز کا سوال اور بحث ہی نہیں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں سیاسی و تمدنی اعتبار سے کوئی خط امتیاز نہیں کھینچا جا سکتا۔ محمد صبر کے جن فتنوں اور گمراہیوں کا شکار مادہ پرست اور محدومین ہیں۔ انہی میں مسلمان بھی مبتلا ہیں۔ کفار و مشرکین اور مادہ پرست جو مظالم و مفسد برپا کئے ہوئے ہیں ان سے مسلمانوں کا دامن بھی پاک نہیں۔ وہ بھی دوسری گمراہ قوموں کی طرح یا دوسری ہلاک کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اور یا امریکین سرمایہ داری پر اعتماد و بھروسہ کئے بیٹھے ہیں۔ جو ارباب قیادت و حکومت مسلمانوں کی قسموں کے مالک بنے ہوئے ہیں وہ اس بات کو سوچ اور سمجھ ہی نہیں سکتے کہ خدا، اسلام، ایمان، اخلاق، خود داری اور خود اعتمادی بھی کوئی چیز ہے۔

قرآن حکیم انکو نئی زندگی، نیا دلولہ، نیا عزم، نیا انقلاب اور نئی دنیا دینی اور ساری دنیا پر جھانسنے کی قوت بخشے کیلئے پکار رہا ہے۔ مگر وہ قرآن اور اسلام کی پکار ہی نہیں سنتے، اندھا دھند اپنی کبے جا رہے ہیں۔ ہر اسلامی ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی ہے۔ حکومت و اقتدار کی بساط اٹھڑی ہوئی ہے۔ اسلام کی جگہ قومیت کا طوطی بول رہا ہے۔ دین

بھی بدنام کریں۔

اس بنا پر وقت کا ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے مال و زر اور سرمایہ داری کی صحیح حقیقت معلوم کی جائے۔ تاکہ عوام اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں غلط فکری اور غلط عملی سے واقف و آگاہ ہو کر ان دونوں فتنوں سے بچیں۔ اور اسلام کی صراط مستقیم پر قائم رہیں۔

جاگیر داری کے بارے میں ایک بنیادی الجھن

ہمارے وہ حضرات اہل قلم جو اشتراکیت کے مقابلہ میں اسلام کا مٹا ہوا نظام پیش کرتے ہیں ان میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جو جاگیر داری کے موجودہ نظام کو اصل، اساس اور اسلاماً حوام سمجھتے ہیں۔ اور اسکو بغیر کسی تحقیق اور جانچ پڑتال کے کلیتہً مٹا دینا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کہہ راض کے سینہ میں سب کا برانا سور جاگیر داری، اسلئے انفرادی ملکیت کا قطع قمع لازمی و ناگزیر ہے۔ اسلئے مقابلہ میں دوسرے حضرات وہ ہیں جو انفرادی ملکیت کے حامی ہیں۔ بڑے وثوق و اعتماد کیساتھ اعلان کرتے ہیں کہ بنی کریم صلعم نے خود زمینیں بطور جاگیر عطا فرمائیں۔ اور خلفاء راشدین کی وقت میں بھی ایسا ہوتا رہا۔ لہذا انفرادی ملکیت اسلامی شروط و حدود کے اندر اسلام کا ایک رکن ہے۔ اسکی حمایت و حفاظت نہایت ضروری ہے۔ اگر اسکو کسی نے مٹا دیا تو آسمان ٹوٹ پڑیگا۔ لیکن ملکیت کو باقی رہنا چاہیے اور ناجائز ملکیت کو ضرور مٹا دینا چاہیے۔ جائز و ناجائز کی تحقیق ہونی چاہیے۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ وہ نظام جاگیر داری جو پانچویں صدی

عیسوی میں رومن امپائر کا نظام درہم و برہم ہو نیسے پیدا ہوا۔ اس ملعون نظام جاگیر داری کو ضرور توڑنا چاہیے۔ اور مظلوم و مقہور انسانیت کو اس آہنی پنجے سے چھڑانا چاہیے۔ مگر اسکی مخالفت اور دشمنی کے جوش میں اس پر جاگیر داری کو مٹا دینا چاہیے جسکو اسلام نے جائز رکھا ہے۔ اور اس جاگیر داری اور سرمایہ داری مراد ہے کہ ہر شے کا مالک خدا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ہر چیز کا اپنے آپکو امین سمجھے اور اللہ کے رسولوں کے ذریعہ جو عوام و حلال

اور جائز و ناجائز کے حدود میں اسلئے اندرہ کرانکا استعمال کرے۔ اسلئے بعد اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنے افراد پر کڑی نگرانی رکھے کہ کوئی مالک کوئی غیر اسلامی حرکت نہ کرنے پائے۔ اسلامی سوسائٹی میں عیاشی کسی شکل و صورت میں بھی رد و نمائے جائے۔ کوئی فرد اسرا و تہذیب کی لعنت اسلامی معاشرہ میں پیدا نہ کرے۔ اور پوری امت میں سیاسی آزادی کیساتھ ساتھ معاشی عدل و انصاف بھی قائم ہے۔ مرکز حق و عدل کے حکومت تجاؤ کرے اور نہ افراد۔ ثنائی اللہ کے حضرت سائے نبیلا و تصوراً فی الحقیقت اسلام کی صحیح نمائندگی و ترجمانی ہیں۔ اسلئے مقابلہ میں جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ موجودہ جاگیر داری اصل اساس اور اسلاماً حوام۔ اسکو فی الفور بغیر کسی سوچ بچار اور جانچ پڑتال کے ختم کر دینا چاہیے۔ وہ یقیناً غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اور نادانستہ طور پر اشتراکیت کا راستہ صاف و ہموار کر رہے ہیں۔

اس بحث و تمحیص میں اصل اور بنیادی الجھن یہ ہے کہ انفرادی ملکیت کے مجوز و حامی اعتقادی اور نظری حیثیت سے تو برسر حق و عدل ہیں۔ مگر دنیا والوں کے سامنے عملی اور فوری حل پیش نہیں کرتے۔ نظریاتی مسائل و مباحث دکھی انسانیت کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔ سرمایہ داری کی لاری اور کھلی ہوئی انسانیت کیلئے عملاً کچھ نہیں کہتے۔ اصلاح حال کے مسئلہ میں تحقیق کی بجائے گراں داندستہ طور پر سرمایہ داری کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ جاگیر داروں کے مظالم و مفسد کی رسی درا کر کے مظلوم و مقہور انسانوں کو ببرہم سستہ رہنے اور سسکتے رہنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ دوسری طرف

انفرادی ملکیت کے مخالف منکر جاگیر داری کی شرعی و غیر شرعی حد بندی میں تمیز نہ کر کے اسلام کا مرکز اعتدال و اذان ہی ٹھا دینا چاہتے ہیں۔ اپنے ترقی پسند اور انقلابی وجود میں اسلام بھی آگے نکل جانے پر پشیم ہیں۔ تدریج و مصلحت کے صحیح طریق پر خود فکر ہی نہیں کرتے۔ عمل عمل کی دھن میں علم ہی کو کھو دینے پر ادھار گھاٹے بیٹھے ہیں۔ الغرض ایک طرف اسلام کا صحیح علم و نظر ہے مگر عمل نہیں۔ اور دوسری طرف عمل ہی مگر علم نہیں۔ رہا صدق و صفا اور خلوص نیت کا معاملہ۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ ہی عظیم و خیر ہے۔ کہ کون در حقیقت ایمان و ارکیت پر دکھتا ہے۔ اور نام اسلام کا لیتا ہے۔

اور کون جاگیر داروں اور سرمایہ داروں کا حمایتی ہے۔ بحث و تجویس میں ہتھول کا معاملہ بیچ میں لا کر نا حق الزام تراشی کرنا یہ اہل علم کی شان بعید ہے۔

اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کا فقدان

اصل سوال یہ ہوتا ہے کہ قوں باقی ہر کہ موجودہ جاگیر داری و سرمایہ داری کے مظالم و فساد و معیوب و فتنائیں کی اصلاح کیسے ہو۔ اشتراکیت ذریعہ یا اسلام کے ذریعہ؟ نظری اعتبار سے اس کا جواب صریح ہے کہ تمدن و مسابقت کے تمام معصائب آلام کا واحد علاج فتنہ اسلام ہے۔ اشتراکیت مرض کا ازالہ نہیں بلکہ اس کا مالکہ کرتی ہے۔ فساد کی بڑ کو افراد کے قلوب کے گھبر کر عجز کے قلوب میں پھوسٹ کر دیتی ہے۔ ہزاروں پونوں کو مار کر حکومت کا ایک بٹاؤ ڈھاپا کر دیتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلام جاگیر داری و سرمایہ داری کو اپنے اصولوں کی پابندی کے ساتھ باقی رکھتا ہے۔ مگر اس کی جتنی بھی خوبیاں اور برائیاں ہیں ان میں کو دور کے انسانی سوسائٹی کو تمام مظالم و فساد سے پاک کر دیتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ اسلام اپنے نظام اور اپنی حکومت کے ہی تمام انسانوں کو امن و راحت اور عدل و انصاف دیتا ہے۔ اسلام کے سیاسی و معاشی اصولوں کی محض تبلیغ و اشاعت نہ مظلوم و مقهور انسانوں کو نیکو مطمئن کر سکتی ہے اور نہ اشتراکیت کے سیلاب عظیم کو روک سکتی ہے۔

مگر یہ دنیا انسانیت کی انتہائی بدبختی اور جھوٹی ہے کہ آج دنیا میں کہیں بھی اسلامی نظام اور اسلامی حکومت نہیں۔ نہ اس کے قیام کی مستقبل قریب میں کوئی امید ہے۔ ہاں اس کے لئے مخلصانہ جدوجہد ضرور ہو رہی ہے۔ لیکن ہم دیکھی انسانوں کو یہ کیکر مطمئن نہیں کر سکتے کہ بھی ٹھہر و سرمایہ داروں کے ظلم و ستم سہتہ رہو، عبیر کو، عنقریب صالحین برسر اقتدار آکر سب کچھ ٹھیک ٹھاک کر دیں گے۔ حالانکہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ بقدر امکان جو کچھ ہونی چاہیے۔ اور مسلمان کسی حد تک تو معصیت زدہ انسانوں کے کام آئیں۔ انسانوں کی جو معاشی اصلاح اور خدمت حکومت و اقتدار پر منحصر ہے وہ اس وقت ہو جبکہ صالحین برسر اقتدار آجائیں۔ مگر جو اصلاح اور خدمت درمند، بااخلاق اور عہد و انسانیت افراد ہی آلائیں

کر سکتے ہیں اس کو دریغ نہ کریں۔ محنت سرمایہ دار کے مقابلہ میں اتنی ہے بس تو نہ ہو کہ عملی تدبیروں ہی کو غیر یاد کندہ کیا جائے۔ اور اسلام کے مبلغ "نا تریاق از عراق آورده شود مارگزیدہ مرده شود" کا مصداق منکرہ جاتیں۔

اسلام کے دعویداروں کا فرض

پیش کر رہے ہیں اور اس کے معاشی اصولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی حد تک اپنے اسباب عیش و راحت میں کمی کریں۔ سادگی اور کفایت شہاری کیساتھ اپنی ضروریات زندگی پر فریج کر نیکی بعد جو کچھ بچے اس محنت سے معصیت زدہ، حاجت مند اور وسیلہ انسانوں کی مدد کریں۔ ذاتی نفع و امتداد کے جذبہ پر اسلامی اصولوں کی پابندی لگائیں۔ اجیر اور مستابور کے درمیان حقوق و فرائض کا متصفانہ تعین کریں۔ معاشی نزاعا میں متصفانہ فیصلہ کریں۔ معاشرے میں جو نا انصافیاں پائی جاتی ہیں ان کی روک تھام کی حتی المقدور کوشش کریں۔ محنت پیشہ عوام جس ناقابل برداشت بھیر کے شکنجہ میں کسے ہوئے ہیں اس کے خلاف مہیا کا نہ آواز بلند کریں۔ انفرادی اسلام کے جن معاشی اصولوں پر مسلمان عمل کر سکتے ہیں ان پر عمل کر کے دنیا والوں کو دکھا دیں کہ اسلام یوں معاشی نا انصافیاں اور جبر کو دور کرنا چاہتا ہے۔

یاد رکھئے تمام نوابی اور فساد کی بڑ تین چیزیں ہیں۔ دولت کی غلط تقسیم، انباشتے جس کے ساتھ غیر مساویانہ سلوک اور کمزوروں پر ظلم و زیادتی۔ اگر پیر و اسلام اس غلط تقسیم غیر مساویانہ سلوک اور ظلم و زیادتی کو عملاً دور کریں اور ایک ایسی جماعت منظر عام پر آجائے جس میں اسلام کے معاشی اصول و ضوابط اپنی عملی شکل میں نظر آئیں اور معاشی انصاف برپا ہو تو یقیناً اشتراکیت اپنی موت آپ مر سکتی ہے۔ صرف زبان اور قلم سے اسلام معاشی اصولوں کے گیت گائے جانا اور انکو عملی طور پر نہ دکھانا اسلام کی صدا و حقانیت کو دنیا میں بدنام کرنا ہے۔

غریب کی ہمدردی اور نادار کی حمایت

ہمدردی اور نادار کی حمایت

انکے پاس نہ کھانیکور وٹی، نہ پیپنے کو کپڑا اور نہ سر جھپانکو جھونپڑا ہے۔ ان کیلئے کسب معاش کا بھی کوئی ذریعہ نہیں۔ کوئی انکا پرسان حال نہیں۔ لیسٹ اپنے غریب، نادار، بھوڑ، سیکس، تباہ حال اور غلمان برباد بھائیوں کی امداد کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو بہت کچھ دے رکھا ہے۔ مال و دولت کی کوئی کمی نہیں۔ اپنی دولت میں اللہ کے بند و کلبو بھی کچھ عطا فرمائے۔ انکی امداد محض آپکی بخشش اور احسان و کرم نہیں بلکہ ان کا حق ہے۔ لہذا انسانیت اور اخلاق کا تقاضا ہے کہ انکو انکا حق دیدیجئے۔ یہ سکر وہ طرح طرح کے جیلے، پہلے اور عذر کرنے لگتے ہیں۔

اسلام کے دشمن کون ہیں؟

طرح عمل ہے مثلاً ہم مسلمانوں مراد اپنے جیسے مسلمان لیتے ہیں۔ اگر ہم حملی طور پر سنی اور حقیقی مسلمانوں میں فرق و امتیاز بھی کر لیں تب بھی سمجھتے ہیں اپنے آپکو حقیقی مسلمان ہی۔ خواہ زبان ایسا نہ کہیں۔ اسلیطج ہمارے نزدیک اسلام وہی ہے جسپر ہم خود عامل ہیں لیکن اگر اسلام سے ہماری مراد واقعی وہی اسلام ہے جو قرآن حکیم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں محفوظ و مدون ہے۔ اور ہر زمانہ کے مسلمان کیلئے ہر حال اسی اسوۂ حسنہ کا پابند ہونا لازمی ہے جو ہمیں رسول کریم صلعم اور صحابہ کرام کی مقدس زندگیوں میں ملتا ہے۔ اور جس میں ہم سیاسی آزادی، معاشی انصاف و مساوات، خانہ البانی و اہل بیتان، غرباء کی ہمدردی اور ناداروں کی اعانت کو اپنی عملی شکل میں دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ کہنے میں مطلقاً تامل نہیں کہ آج اسکا کہیں پتہ نہیں۔ اور اسلام کے دشمن وہ نہیں جو اپنے غریب و نادار بھائیوں اور دکھی انسانیت کا مداوا چاہتے ہیں۔ بلکہ وہ ہیں جو حقیقی اسلام کے نام پر اپنی جائیدادوں اور اپنے خزانوں کو بے مقصد اپنے قبضہ میں رکھنے پر مصر ہیں۔ اسلام کو اپنی حفاظت کیلئے اڑ نہاتے ہوئے ہیں۔ اور انہیں اسکی مطلق پرواہ نہیں کہ انکے لاکھوں بھائی فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں۔ کاش چہاے مالداروں کو قرآن پاک کی ان آیات اور احادیث کا علم ہوتا جن میں اتفاق فی سبیل اللہ کی تاکید اور

نظام کی بنیاد غریب کی ہمدردی اور نادار کی حمایت پر استوار ہوتی ہے۔ لہذا اس زمانہ میں جبکہ بے قید و محبت اور نظام سرمایہ دار سنی ایک طرف تو کرڈہ انسانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے۔ بے روزگاری اور بے کاری بڑھتی جا رہی ہے۔ غربت و افلاس کا دور دورہ، اور محنت پیشہ طبقوں کو دانا دانہ کا محتاج بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ دوسری طرف چین انسان ایسے پیدا کر دیتے ہیں جو دنیا کی ریاست و امارت کے پیدائشی حقدار بن بیٹھے ہیں، جنہوں نے عیسائیت و جمہوریت کو اپنی لوندھی، علم و عقل کو اپنا غلام، سائنس دانوں کو اپنا بندہ، شاعروں، ادیبوں اور لیڈروں کو اپنا پرستار اور صحافت کو اپنا حلق فوان بنا لیا ہے۔ اور جن کا سرمایہ عیش و عشرت کے سامانوں، شہوت نفس کے کھلہ نوں، خوشحالی کے پونچلیوں، فخر و جہالت کی نمائش کاریوں اور معمول اقتدار کی کوششوں پر بے تحاشا صرف ہورہا ہے۔ غریب کی ہمدردی اور نادار کی حمایت کرنا مالدار مسلمانوں کا سب سے بڑا فرض ہے۔ اگر وہ اس فرض کو ادا نہ کریں تو وہ اسی قابل ہیں کہ اشتراکیت کا دیوانو کچا چبا جائے۔

ہمارے زردار و نجی عادت

اسلئے کہ ہمارے مذہبی رہنما اسلام کا نام لیکر کمیونزم کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرینا فرض تو پورے تندہی و سرگرمی کیساتھ ادا کرتے ہیں۔ مگر غریبوں کی ہمدردی، نادار و نجی حمایت اور بیکاروں کی امداد کرینکے لئے پاس کوئی لائحہ عمل نہیں۔ انہوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ جیتنا اسلامی نظام قائم ہونو یا ہمیں اقتدار کی گدیاں نہ سونپی جائیں اس سلسلہ میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ انکی اس عملی سے زردار طبقہ خوب فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اور محنت پیشہ عوام جبر کے شکنجہ میں کہے ہوئے بری طرح کراہ رہے ہیں۔

ہمارے زردار و نجی یہ عادت ہو گئی ہے کہ جب کوئی اللہ کا بندہ مانگو انکے مالی حقوق و فرائض بتلاتا اور کہتا ہے کہ خرد دنیا پر نگاہ ڈالو اور دیکھو کہ غریبوں، مزدوروں اور محنت کشوں کا کیا حال ہے؟ یتیموں اور یتیم خانوں پر کیا گدزدہی ہے؟ بھوکے تنگے روٹی اور کپڑے کیلئے کیونکر ٹرپ رہے ہیں

جب آپکو معلوم ہوا کہ گھر میں ایک سونے کی ٹلی رکھی ہے تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا کہ اسے خدا کی راہ میں صرف کر دو۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنے رب کے حضور میں اس مال میں جاؤں کہ گھر میں سونا رکھا ہو۔

اس اسوۂ حسنہ کی پیروی صحابہ کرامؓ نے جس طرح کی وہ بھی
مختصر اس لیے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ ہونیکے بعد بھی سادگی،
فناخت، تواضع اور ایثار و قربانی کا اسی طرح ثبوت دیتے رہے۔ جس طرح
خلافت سے پہلے دیتے تھے۔ بلکہ خلیفہ ہونے کے بعد تو آپ اور بھی زیادہ غریب
و مسکین ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ صبح و شام محتاجوں و محتاجندوں
کی امداد و دستگیری کیلئے سرگردان پیرا کرتے۔ جب آپکے عہد خلافت
میں قحط پڑا تو اس سب سے زیادہ اثر آپ ہی پر پڑا۔ آپ راتوں کو رو یا
کرتے۔ دسترنیوؤں پر دو سالن آنے سے منع کر دیا۔ اور کہا کرتے اگر
کوئی شخص بھوک سے مر گیا تو میں خدا تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔
اس قحط کے دنوں میں ریج و فکر کی تکلیف اور احساس الم سے آپکے
چہرہ کارنگ سیاہ پڑ گیا تھا۔

اسی طرح دیگر صحابہ کرام کی مبارک زندگیاں سخاوت، ایثار و قربانی غربا کی امداد و تسکیری اور اتفاق فی سبیل اللہ کے واقعات بھر پور ہیں۔ کسی ایک صحابی کے متعلق یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مال و دولت کے مالک ہوں۔ اور انہوں نے ایثار و قربانی اور اتفاق کا ثبوت نہ دیا ہو۔ کسی کا ایک پیسہ بھی اسراف و تبذیر میں صرف ہوا ہو۔ یا کسی کچھ سو کا ثبوت دیا ہو۔ اپنے بھائیوں کو بھوکا مار کر اپنی جیبیں بھری ہوں۔ کسی کے پڑوس میں کوئی بھوکا سو رہا ہو۔ اور کسی کسی کی غیرت نہ ہو۔ معاہدین کی خود داری و قربانی اور انصاف کے اٹلہ سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ کمال ہے کہ انصار نے اپنے گھروں اور اپنی زمینوں کو معاہدین میں برابر برابر بانٹ دیا۔ صحابہ کرام نے اخوت و مساوات اور ایثار و حمدرہوی کے وہ اعلیٰ نمونے دکھائے ہیں جنکی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یہ تحقیقی اسلام کی صحیح تصویر جو عبدنوت

ترغیب و تحریص آئی ہے۔ کمزکریا لوں اور بھاد بالمال سے جان چرلنے والوں کو وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ اور جن میں مسلمانوں کو تہلیل اگیا ہے کہ جو کچھ بھی تمہاری ضرورت ہے سچ جگا سے اللہ کی مدد میں صرف کرو۔ کاش یہاں سے مالدار این آیات و احادیث کی اصل روح سے واقف ہوتا اور ان پر عمل پیرا ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو سرمایہ داری کے رد عمل میں اشتراکیت نہیں بلکہ اسلام میدان عمل میں آتا۔ اور مزدوروں و محنت کشوں کا قبیلہ و کعبہ روس نہ ہوتا بلکہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ہوتا۔

حقیقی اسلام میں معاشی انصاف کی جھلکیاں

مسلمان جس ذات اقدس نبی صحت کے نام لیوا ہیں، جس بلند و بزرگ ہستی کا صحیح و شام کلمہ پڑھتے ہیں۔ جبکی امت میں ہونے پر فخر کرتے ہیں، جنگی محبت کا دم بھرتے ہیں اور تنیک اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے قابل تقلید و پیروی سمجھتے ہیں۔ انکی باریکات زندگی یہ تھی کہ زندگی میں کبھی پیٹ بھر کھا نا نہیں کھایا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ کے سامنے کھا نار کھا ہوا ہے۔ یا بہرے کسی بھوکے سائل کی صدا آئی اور آپ وہ کھا نا اٹھا کر لے دینا۔ اور خود بھوکے کے بھوکے رہ گئے۔ کچنی دفعہ ایسا ہوا کہ حاجتمندوں اور محتاجوں کو کھیر کیا ۔

لیکن آپکی پیشانی مبارک پر ذرا سا شکن تک نہ آیا۔ جبکو جو کچھ ہو سکا دیا۔ آپ بیتوبوں اور میواؤں کی انداد و سرپرستی میں ہمیشہ سرگرم رہتے ، حاجتمندوں کے حتی الامکان کام آتے۔ پڑوسیوں کی خبر گیری کرتے، بیمار و مری حیات کو جاننا، جنازوں میں بلا امتیاز شریک ہونا، آپ کے قدموں میں قصیر و کسریٰ کے نثرانوں کا ڈھیر لگانا، آپ دن بھر الگو تعلیم کرتے رہتے۔ اور شام کو گھر میں فقر و قافہ ہونا۔ غریبوں اور مسکینوں سے آپکو اتنی محبت تھی کہ دن رات انکی کمی صحبت میں رہتے، انکی دلجوئی و خوشنودی میں سامعی رہتے۔ دعا دعا مانگا کرتے کہ ارے اللہ ! مجھے غریبوں اور مسکینوں ہی میں مار لو اور قیامت کے دن انکی کم زور میں اٹھائیو۔ زندہ وزی اور ذخیرہ باز بھی! آپکو اتنی مغفرت تھی کہ بستر مرگ پر

اور خلافت راشدہ کے مسلمانوں کی تاریخ دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔ یہی اسلامی زندگی ہے۔ اسی اخوت و مساوات اور ایثار و قربانی کا اسلام علمبردار اور داعی ہے۔ مکہ کی تمام زندگی میں سوائے آخری چند سال کے ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جس نے اپنا سب کچھ اللہ کے رسولؐ کے قدموں میں لاکر حاضر نہ کر دیا ہو۔ ہر مسلمان اسلام کی حفاظت و اشاعت اور غریب و ناداروں کی اعانت و دستگیری میں پڑے پڑے رہا۔ الیٰ قرآنی کرنا سب سے بڑا فریضہ دین سمجھنا تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ مسلمان زائد از ضرورت مال کو اللہ کی راہ میں صرف کریں۔ بلکہ اپنی ضرورتوں سے بھی بچا کر اتفاق کا ثبوت دیتے تھے۔ خود بھوکا رہ کر دوسروں کا پیٹ بھرتے تھے۔ خود تنگی برداشت کر کے دوسروں کیلئے فراغت کا سامان کرتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ ”اگر تمہارا ہمسایہ بھوکا سو جائے اور تم پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ تو یہ جبر اس پر ذلت کرتی ہے کہ تمہارا ایمان ناقص ہے۔“ جو لوگ اس معاملہ میں نکل کرتے تھے ان کا شمار قرآن کریم نے منافقین میں کیا ہے۔ پھر قرآن مبین کی اس وعید پر بھی ایمان رکھتے اور رزستے تھے کہ ”جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے مستحقین پر صرف نہیں کرتے انکو درد ناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔“

کیا انفرادی ملکیت کے حقوق برائے قائم تھے؟

بے شک اسلام نے انفرادی ملکیت کے حقوق کو قائم اور جائز رکھا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ جائز و ناجائز ذریعوں اور طریقوں سے مال و دولت سمیٹ کر لاکھوں کروڑوں انسانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیں۔ اور معاشرے میں وہ نرا بیاں اور تباہیاں پھیلائیں جو مذکور ہوئیں۔ اور وہ ہر قسم کی آئینی و اخلاقی گرفت سے آزاد رہیں۔ یہ عجیب مسلمانی ہے کہ ذرائع دولت پر تو اسلام کا نام لیکر قبضہ کر لیا جائے۔

اور جب اسلام مالی حقوق و فرائض کا اُن سے مطالبہ کرے تو اس سے آنکھیں پھیر لی جائیں۔ مالداروں کو ہر طرح چھٹی و آزادی مل جائے۔ مومنانہ بصیرت اور مسلمانہ کردار کے بغیر ہر شخص جتنی دولت چاہے کم لے۔ اور بیشمار افراد کو بھوکا مارے۔ مگر اسلام کے کسی مطالبہ کی پرواہ نہ کرے ستم بالائے ستم یہ کہ اسلام کے مبلغ و قزبان اسے عامہ کے دباؤ سے متاثر ہو کر انپر تنقید تو کریں۔ ان کو ظالم و دیکار ٹھہرائیں اور ان کے مفاسد کو طشت از بام کریں۔ مگر ان پر کوئی ایسی قانونی یا بندی عائد نہ ہونے دیں۔ کہ ان کی ذاتی نفع اندوزی اور تعیش پسندی اجتماعی مفاد کے خلاف نہ ہونے پائے۔ اور غریبوں کے پیٹ بھرنے کا بھی کوئی سامان ہو سکے۔

یہ ہے وہ صورت حال بھاشتر اکیت کے فروغ و تقویت کا باعث بنی ہوئی ہے۔ مگر یاد رکھئے اس صورت حال سے اسلام بالکل بری الذمہ ہے۔ اس کا الزام اسلام پر نہیں بلکہ اسلام کے کمزور نمائندوں اور ترجمانوں پر ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ عام حالات میں تو اسلام مالداروں اور صاحب نصاب صرف زکوٰۃ اور عشر کا مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن جب معاشی حالات دگرگوں ہو جائیں۔ بیکاری اور افلاس عام ہو جائے لاکھوں کروڑوں افراد فقر و فاقہ کا شکار ہو جائیں۔ بچپنی و افراتفری پھیل جائے اور کوئی غیر معمولی افتادہ نہ ہو جائے۔ جس سے قوم کی عزت و ذلت اور موت و زندگی کا سوال پیش ہو تو اسوقت انفرادی ملکیت کے وہ حقوق قائم نہیں رہتے۔

جو عام حالات میں اسلام نے جائز و قائم رکھے ہیں۔ اس صورت میں افراد پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ عوام کے لئے زیادہ سے زیادہ ایثار و قربانی کریں۔ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ اسے خدا کی راہ میں صرف کریں۔ اگر جاگیر دار و سرمایہ دار ایسا نہ کریں۔ ذرائع دولت اور

چار پھول

(از جناب اسلم صاحب لکھنوی ایڈیٹر روزنامہ "کاسراواں")

اسلام کی بہار خلافت کے چار پھول !
کیسے ہم کہتے ہیں خلافت کے چار پھول
معجز نما ہیں باغ شجاعت کے چار پھول
ہادی ہمارے ہیں ہدایت کے چار پھول
ہمکے کہاں کہاں یہ خلافت کے چار پھول
اس میں گندھے ہو ہیں عقیدت کے چار پھول
دامن میں لیکے حسن عقیدت کے چار پھول !
ہیں یہ ہمارے واسطے رحمت کے چار پھول
پھر کیونش دیں بہار خلافت کے چار پھول

لایا ہوں بزم مدح میں رحمت کے چار پھول
نوشہ سے ہے بسی ہوئی اسلام کی فضا
تلوار کفر کے لئے دیں کیلئے سپر
اللہ نے دئے ہیں محمد سے پائے ہیں
ایران میں عرب میں عجم میں عراق میں
کیونکر نہ فرق دیں یہ سہرا ہونو شگوار
دربار چار یار میں جانا ہوں شاد شاد
پہچانی عظمت ان خدا اور رسول کی
جب باغبان نبی ہو صحابہ ہو حسن باغ

اسلم خدائے بخشید یا ہم کو باغ خلد
محررین کام آگئے رحمت کے چار پھول

تعلیمات اسلامی

(ادارہ)

ماہ صفر کی نفل نمازیں

یکم صفر کی نماز | ماہ صفر بلا کامیہ ہے۔ اس میں مصائب نازل ہوتے ہیں۔ لہذا اس میں عبادت الہی کرنی بہت بہتر ہے۔ پہلی تاریخ کو مختلف طریقوں سے نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ (۱) چار رکعت پہلی رکعت میں پندرہ بار کافروں۔ دوسری میں پندرہ بار قل ہو اللہ تیسری میں پندرہ بار قل۔ چوتھی میں پندرہ بار سورہ ناس پڑھی جاتی ہے۔ سلام کے بعد شہر مرتبہ سبحان اللہ و الحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہا جاتا ہے۔

(۲) چاشت کے وقت طہارت کامل کر کے دو رکعت۔ ہر رکعت میں گیارہ بار اخلاص پڑھی جاتی ہے۔ سلام کے بعد ستر بار یہ درود پڑھا جاتا ہے۔ **اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ** درود کے بعد یہ دعا کی جاتی ہے۔ **اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ**

عَمَّا أَصَابَ مِنْ خَوَاصَاتِهِ وَكُنْ بِأَتَمِّ بَعْضِكَ يَا دَاخِلَ الشَّيْءِ فَرَسًا وَيَا مَالِكَ الشَّيْءِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ وَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الْأَجْمَعِينَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

آخری چہار شنبہ کی نماز | اس نماز کے صرف دو نفل ہیں۔ ہر رکعت میں

الحمد کے بعد تین بار سورہ اخلاص پڑھی جاتی ہے۔ سلام کے بعد الم نشرح ۲۰ بار۔ والتین بیس بار۔ اذا جاء یس ۱۰ بار۔ سورہ اخلاص بیس بار۔ کل اشئ مرتبہ پڑھی جاتی ہے۔ خداوند تعالیٰ غنا و دی عطا فرمائے گا۔

(فعلاً ثل الشہور والعیام)

بقیہ ص ۲۲ - یہی ترتیب ہے۔ اسلام کے ظہور کے ساتھ حکومت النبیہ نہیں قائم ہو گئی تھی۔ بلکہ پہلے برسوں مکہ اور پھر امتناعی مدنی زندگی میں ان میں عمل کی روح پیدا کی گئی۔ اور وہ جب نمونہ عمل بن گئے اس وقت حکومت النبیہ کی بنیاد پڑی۔ اور جب خلفاء راشدین کے زمانہ میں اس کا مکمل مثالی نمونہ قائم ہوا اس وقت خود بخود دوسری قومیں اس نظام کو قبول کرنے لگیں۔ اس لئے اسلامی نظام کی دعوت کی کامیابی اور ناکامی مسلمانوں کے عمل پر منحصر ہے۔

منتخب القل حَقِيقَةُ اَوْ قَدَرُ

(مولانا محمد زاہد صاحب الحسینی)
(سلسلہ اشاعت گذشتہ)

حاجتمندوں کے حقوق

کسی سوال کر نیوالے کو عتاب نہ کرنا چاہئے۔ اگر توفیق ہو تو اپنے مال میں سے اسکی اعادہ کرے۔ ویسے بھی ہر انسان کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اسکے مال میں غریب اور مساکین کا حق ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔
وَمَا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَرْ۔
اور سوال کرنے والے کو جھڑکا نہ کر۔
وَفِي اَمْوَالِهِمْ
حق للسائل و
المحرور۔
اور اللہ کے نیک بندے وہ بھی ہیں جن کے اموال میں مانگنے والے کے لئے اور مصیبت زدہ کے لئے حق ہے۔

تعاوان علی البر و التقویٰ
نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ذکر اچھے جب تک کوئی آدمی اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اسکی اعادہ کرتا ہے۔

اگر وہ کچھ نہ ہو تو پے کس حاجت مندی مدد ہی کر دیا کرو۔ (بخاری) جھوٹے بٹکے ہوئے اور کسی اندھے کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے۔ (ترمذی)

جہان کے حقوق قرآن کریم نے دو اولوالعزم رسولوں کے تعلقات عہدوں کے ساتھ بیان فرما کر اس حق کو مشرح فرمایا

ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے پاس فرشتے انسانوں کی شکل میں آئے۔ آپ نے ان کی خوب خاطر و مدار کی۔ جس کا ذکر قرآن شریف میں اس طرح آیا ہے۔
هل اناک حلل یش
ضیف ابواہلیم للکرملین
کیا ابراہیمؑ کے معزز عہدوں کی خبر بھی تم تک پہنچی ہے؟
اذ دخلوا علیہ فقا لوا
کہ جب یہ ان پاس آئے تو
سلاماً۔ قال سلام
تو سلام دیا۔ ابراہیمؑ نے سلام
قوم منکرون۔ فداغ
کا جواب دیا۔ اور خیال کیا کہ یہ
الی اہل فجااء بعجل
تو اجنبی لوگ ہیں۔ پھر جلد ہی حرم
سمین فقر بآ
گھر جا کر ایک موٹا سا بچہ لایا جو انکے
الیہم قال
لائے۔ اور عہدوں کے سامنے
الا تا کلون۔
رکھا۔ انہوں نے کھانے میں
فکر کیا تو آپ نے کہا کیوں نہیں
کھاتے۔

اس قصہ مبارک سے کم از کم یہ باتیں معلوم ہوئی ہیں۔
جہان کو سلام دینا چاہئے۔ مینربان کو خندہ پیشانی سے اس کا جواب دینا چاہئے۔ اس کے بعد جو کچھ آسانی سے میسر ہو سکے جہان کے سامنے پیش کر دے۔ اور جہان کی پریشانی یا اضطراب سے اثر پذیر ہو۔ اس کے سامنے خلصانہ برتاؤ کرے۔

الحکمۃ والصلوٰۃ

بالحکمۃ

تو اس کے ہر قدم میں سے ایک قدم سے اس کی بُرائی دور ہوگی اور دوسرے قدم سے اس کا درجہ بلند ہوگا۔

(کنز العمال جلد ۴)

(۸) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ (کنز العمال جلد ۴)

(۹) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بُرے لوگوں میں سے وہ ہے جو قبروں کو سجدہ گاہ بناؤ۔ (کنز العمال جلد ۴)

(۱۰) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت نماز اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ (کنز العمال جلد ۴)

(۱۱) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صف اول کے لئے دوسری صفوں پر فضیلت ہے۔ (کنز العمال جلد ۴)

(۱۲) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفوں کو درست کرو کیونکہ صفوں کا درست اور سیدھا رکھنا نماز پڑھنے میں سے ہے۔ (کنز العمال جلد ۴)

(۱۳) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم صف اول کے ثواب کو جانتے تو اس کیلئے قرعہ ڈالنے کی ضرورت ہوتی۔ (کنز العمال جلد ۴)

(۱۴) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کی

(۱) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نماز پابندی سے پڑھو کہ وہ افضل بھاد ہے۔ اور تم گناہوں سے باز رہو کہ گناہوں کو چھوڑنا افضل ہجرت ہے۔ (کنز العمال جلد ۴)

(۲) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی کنجیاں نماز ہیں۔ اور نماز کی کنجیاں طہارت ہے۔ (کنز العمال جلد ۴)

(۳) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک نماز میں رہتا ہے جب تک اس کا انتظار کرتا ہے۔ (کنز العمال جلد ۴)

(۴) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے انتظار میں بیٹھنے والا نماز پڑھنے والے جیسا ہے۔ اور غازیوں میں لکھا جاتا ہے۔ جس وقت گھر سے نکلتا ہے اس وقت سے گھر واپس پہنچنے تک۔ (کنز العمال جلد ۴)

(۵) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال سب افضل وقت پر نماز پڑھنا ہے۔ پھر اس باب کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔ اور پھر یہ ہے کہ لوگ تیری زبان سے بچے رہیں۔ (کنز العمال جلد ۴)

(۶) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچوں وقت کی نمازیں گناہوں کو اس طرح دور کرتی ہیں جس طرح پانی میل کو دور کرتا ہے۔ (کنز العمال جلد ۴)

(۷) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے گھر میں وضو کیا۔ پھر وہ اللہ کی مسجدوں میں سے کسی مسجد میں کسی فریقہ نماز کی ادائیگی کے لئے چلا۔

مذہبی حکومت کے متعلق غلط فہمی کا سبب

رہنما محین الدین احمد ندوی

تمہید از ادارہ پاکستان دستور ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد کے ذریعہ اعلان کر دیا ہے۔ کہ پاکستان ایک دینی اور مذہبی ریاست ہے۔ اسلام کے متعصب دشمنوں کے پھیلائے ہوئے اکاذیب و ارجحیت نے اور کچھ ہم مسلمانوں کے گزشتہ غیر اسلامی اعمال نے دوسری قوموں کو مذہبی حکومت کے متعلق غلط فہمی میں ڈال دیا ہے۔ اور پاکستان کے اس فیصلہ پر وہ چین بہ چین ہیں۔ اور ان کو اس ”روشنی کے دور“ میں اس قسم کا ”رجعت پسندانہ“ فیصلہ قابل تعجب معلوم ہوتا ہے۔ اور جب ہمارے اکابر کے سامنے وہ اپنی ناراضگی کے تاثرات پیش کرتے ہیں تو ان کے جواب میں یہ حضرات مومنانہ برأت کے ساتھ اقرار کر کے ایضاً حقیقت اور ازالہ غلط فہمی کی بجائے کچھ شروع کرتے ہیں۔ اور ان کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہماری اسلامی حکومت بھی تو جمہوری حکومتوں کی طرح ایک جمہوری حکومت ہوگی۔ اور اس طرح معاملہ کو غلط ملط کر جاتے ہیں۔ اور پھر اس قسم کے جوابات سے اسلام پسند پاکستانیوں کے قلوب میں شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اخبارات اور ہندوستانی ریڈیو کی اطلاعات کے مطابق اوائل اپریل میں وزیر اعظم پاکستان یاقوت علی خان صاحب اور وزیر اعظم بھارت پنڈت نرو کے درمیان اقلیتوں کے تحفظ کے سلسلہ میں جو گفتگو ہوئی تھی اس کے دوران میں پنڈت نرو نے پاکستان کے مذہبی حکومت ہونے کو اقلیتوں کے لئے ایک خطرہ قرار دیکر اپنا اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ اور بھارت کے دوسرے لیڈر اور اخبارات بھی بار بار یہ کہتے اور لکھتے ہیں کہ ایک مذہبی حکومت میں اقلیتیں کس طرح محفوظ و مطمئن ہو سکیں گی۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے یہ طریقہ یقیناً غلط بھی ہے اور خلاف حقیقت بھی کہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ پاکستان کی مذہبی حکومت بھی تو درحقیقت بھارت اور دوسری جمہوری حکومتوں کی طرح ایک جمہوری حکومت ہے۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ غلط فہمی میں مبتلا ہونے والے غیر مسلموں کو یہ سمجھا دیا جائے کہ اسلامی مذہبی حکومت واقعہً تمام خیرات و برکات کا سرچشمہ ہے۔ اور اگر پاکستان میں عملاً اسلامی نظام نافذ ہوا تو پھر تم دیکھو گے کہ دنیا کی تمام جمہوریتوں سے بڑھ کر اقلیتوں کو یہاں پر امن و سکون، اطمینان و خوشحالی نصیب ہوگی۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کا ایک مضمون ”کیا اقبال فرقد پرست شاعر تھے؟“ کے عنوان سے موقر سالہ ”معارف“ بابت ماہ جنوری و فروری میں شائع ہوا ہے۔ اس مفید اور علمی مضمون میں ایک ذیلی عنوان ”مذہبی حکومت کے متعلق غلط فہمی کا سبب“ کے تحت مولانا موصوف نے اس مسئلہ پر اچھا تبصرہ فرمایا تھا۔ اس موضوع پر چونکہ قارئین کرام کے سامنے مواد پیش کرنے کی ضرورت ہے اور وقت کا تقاضا۔ اس لئے ہم جریدہ معارف اور مولانا موصوف

کے شکریہ کے ساتھ وہ حصہ مضمون افادہ عام کی غرض سے شائع کرتے ہیں۔ (اداسراہ)

مذہبی حکومت کے متعلق ایک عام غلط فہمی ہے۔ اور اس کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ جس میں دوسرے مذہب والوں کے کوئی حقوق اور ان کے لئے عزت و آبرو کے ساتھ رہنے کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ کم از کم اسلام کی مذہبی حکومت کے متعلق یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اس کی تفصیل آئیہندہ بیان کی جائے گی۔

درحقیقت یہ غلط فہمی یورپ کی پھیلائی ہوئی ہے۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ عیسائی مذہب کی بنیاد ترک دنیا پر ہے۔ جس میں حکومت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے اس میں حکومت کا کوئی آئین بھی نہیں ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کی غلط تفسیر نے کہ ”جو قیصر کا حصہ ہے سو قیصر کو دو، اور جو خدا کا ہے سو خدا کو دو“ عیسائی مذہب میں اور بھی دین و دنیا میں علیحدگی پیدا کر دی۔ لیکن سیاست سے مذہب کی بیدخلی کا اصل سبب یہ ہے کہ گو عیسائی مذہب میں حکومت کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن قرون وسطیٰ کلیسا کا اقتدار بڑھ گیا تھا کہ حکومت پر بھی غالب آ گیا تھا۔ اور اس کی حیثیت کنگ میکرو (بادشاہ گرو) گئی ہو گئی تھی۔ ارباب کلیسا جس کو چاہتے تھے تخت پر بٹھاتے تھے اور جس کو چاہتے تھے اتار دیتے تھے۔ اور چونکہ ان کے پاس حکومت کا کوئی مذہبی قانون نہیں تھا۔ اور وہ خالص دنیا دار اور مذہبی روح سے بالکل خالی تھے اس لئے اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے وہ سب کچھ کرتے تھے جو دنیاوی بادشاہ اپنی حکومت کی بقا کے لئے کر سکتے ہیں۔ بلکہ ان کی سفایاں اور عیش پرستی ان سے بھی بڑھ گئی تھیں۔ جس پر یورپ کے قرون وسطیٰ کی تاریخ شاہد ہے۔ اس سے ہر تاریخ دان واقف ہے۔ اس کا نتیجہ کلیسا

کے خلاف بنادات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور بڑی خون ریز معرکہ آرائیوں کے بعد کلیسا کی قوت اور اس کا اقتدار ختم ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں علم عقل کی روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ اس لئے کلیسا کا اقتدار ختم ہونے کے بعد اباب کلیسا کی غلطیوں اور ان کی زیادتیوں کی سزا میں نہ صرف مذہب کو سیاست سے خارج کر دیا گیا بلکہ سرے سے مذہب ہی کی وقعت جاتی رہی۔ لیکن اسلام میں جیسا کہ اوپر بھی لکھا گیا ہے۔ دین و دنیا الگ الگ نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ اور اس کے نزدیک جسم و روح سے مل کر کامل انسان بنتا ہے۔ اس لئے اس کی تعلیمات بھی ان دونوں کی ضروریات پر حاوی ہیں۔ اور اس میں دینی و اخلاقی تعلیمات کے ساتھ حکومت کا بھی پورا آئین موجود ہے۔ اقبال نے ان واقعات کو بڑی خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے۔

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی۔ سماقی کہاں اس فقیری میں میری خدمت تھی سلطانی وراہی میں کہ وہ سر بلند ہے یہ سر بہ زبیری سیاست مذہب پیچھا چھڑا یا! چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیروی ہوئی دولت و دین میں جسم جلائی۔ ہوس کی امیری ہوس کی فقیری دوئی ملک دیں کے لئے نامرادی دوئی چشم تہذیب کی نابھیری! یہ اعجاز ہے ایک صحرانشین کا بشیری ہے آئینہ دارِ مذہبی!!

اسی میں حفاظت، انسانیت کی

کہ ہوں ایک جنتیدی وارد شیر

سیاست سے مذہب کی علیحدگی کے بعد اگرچہ حکومتیں کلیسا کے اقتدار سے آزاد ہو گئیں۔ لیکن ان میں شخصی حکومتوں کی تمام خرابیاں موجود تھیں۔ اور اباب کلیسا مذہب کے نام پر جو مظالم کرتے تھے وہ اب سیاست کے نام سے ہونے لگیں۔

اقبال نے مختلف پیرایوں میں اس نام نہاد جمہوریت کی پردہ دری کی ہے۔

ہے وہی سازکن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پُر زوں میں نہیں تجنازولے قیصری
دیواستبداد جمہوری قبا میں پائے کو ب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے فیلم پر می
مجلس آئین و اصلاح رعایات حقوق
طب مغرب میں حرے ششے اثر خواب آوری
گر مئی گفتار اعضائے مجالس اللہ ماں !
یہ بھی اک سرمایہ دارونکی ہے جنگ زندگی
اس سراب رنگ بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ ای ناداں ! نفس کو آسٹیاں سمجھا ہے تو

ایک دوسری نظم میں جمہوریت کے چہرہ سے اس طرح نقاب اٹھائی ہے۔

دلے بردستور جمہور فرنگ مرده ترشد مرده از شور فرنگ
حقہ بازان چوں سپر گرد گرد ! ازلم بر تختہ خود چیدہ ندو
شاطراں ایں گنج درکنار بونج بر ! ہر زماں اندر کسین یک دگر
فاش باید گفت سر دلبراں ! بامستاع وایں جمہ سودگراں
ان اشعار کی صداقت پر ایشیا و افریقہ کی گذشتہ دو تین صدیوں کی تاریخ شاہد ہے۔ ایشیائی ملکوں اور قوموں کی تباہی اور ان کی غلامی اسی دور جمہوریت کا دین کا نام ہے۔ جمہوریت کے بانی اول فرانس کے ہاتھوں شمالی افریقہ کے مسلمانوں پر اور جمہوریت کے امام برطانیہ کے ہاتھوں تمام ایشیائی ملکوں پر جو کچھ گزاری اور اہمک گذر رہی ہے اس سے ہر شخص واقف ہے۔

اس کا ایک سبب تو وہی نسلی اور جغرافیائی قومیت اور وطنیت ہے۔ جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ دوسرا سبب

جب یہ شخصی استبداد حد سے بڑھ گیا تو اس کے خلاف بھی عوامی اور جمہوری تحریکیں شروع ہوئیں۔ جس کا نتیجہ انقلاب فرانس کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس وقت سے یورپ میں شخصی حکومتوں کے بجائے جمہوری نظام کا آغاز ہوا۔ گو جمہوری اور عوامی حکومت کی اصطلاح بظاہر بڑی دل فریب ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ جمہوریت نے شخصی استبداد کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن جمہوریت کے قیام کے بعد شخصی استبداد کے بجائے جماعتی اور قومی و وطنی استبداد شروع ہو گیا۔ اور شخصی حکمران اپنے ذاتی مفاد کے لئے جو بے عنوانیاں کرتے تھے وہی برسر حکومت طبقہ اپنے اقتدار اور اپنی قومی و وطنی مفاد کے لئے دوسری قوموں کے ساتھ کرنے لگا۔ اور اس کے جواز کے لئے وطنیت اور قومیت کے بت تراشے گئے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں ایشیا پر یورپ کی یلغار شروع ہوئی۔ اور انہی جمہوری حکومتوں نے اس کے بڑے حصہ کو اپنا غلام بنالیا۔ اور اپنے سیاسی اور اقتصادی مفاد کیلئے انہوں نے جس طرح مشرقی ملکوں کو لوٹا۔ اور اہل مشرق کو ذلیل و نوا کیا اس سے ہر تاریخ دان واقف ہے۔

لیکن اہل مغرب اپنے جلو میں ایک دل فریب تمدن اور نئے علوم کی فوج بھی لائے تھے۔ اس سے مشرقی ممالک اس قدر مرعوب و مسحور ہوئے کہ وہ ہر شعبہ زندگی میں فخر یہ ان کی تقلید کرنے لگے۔ چنانچہ جمہوریت کی برکتوں کا غلغلہ بھی سارے مشرق میں پھیل گیا۔ اور اس کے بعد جہاں بھی جوئے نظام حکومت قائم ہوئے انکی بنیاد جمہوریت پر رکھی گئی۔ لیکن حقیقت جو وہ جمہوری حکومتیں جمہوریت کے روح سے بالکل خالی ہیں۔ ان میں اور شخصی حکومتوں میں صرف یہ فرق ہے کہ شخصی حکمران اپنے ذاتی فائدہ اور اقتدار کے لئے اپنی رعایا پر جو زیادتیاں کرتے تھے جمہوری حکومتیں وہی زیادتیاں اپنے قومی مفاد کے لئے دوسری قوموں پر کرنے لگیں۔ جس پر مشرق کی تاریخ شاہد ہے۔

لادینی سیاست ہے۔ درحقیقت جو سیاست مذہب یعنی اخلاق و روحانیت اور خوفِ خدا سے خالی ہوگی وہ کبھی دوسروں کے ساتھ انصاف نہیں برت سکتی۔

غیر حق چوں نا ہی و آمر شود زور و بر ناتواں قساہر شود
ذیر گردوں آمری از قاہریت آمری از ماسوی اللہ کافریت
قاہر آمر کہ باشد بختہ کار! از قوانین گرد خود بند حصار
برہ شاہیں تیز چنگ و دیگر صعوہ را در کار ہا گیر و مشیر!
قاہری را شرع و دستوے دہد بے بقیہ سرمہ با کورے دہد
حاصل آئین و دستور ملوک وہ خدایاں فریہ و دہقانچ دوک
اس کا علاج صرف قوانینِ خداوندی کے مطابق حکومت ہے۔ جو قانون محض انسانی عقل و تجربہ پر مبنی ہوگا وہ ذاتی مفاد اور قومی غرض سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس سے تمام انسانوں کے ساتھ عدل و انصاف کی توقع نہیں کیجا سکتی۔ جس کا تجربہ صدیوں سے ہو رہا ہے۔ اور حکومت النبیہ کا نظام اسلام کے علاوہ اور کسی مذہب نے نہیں پیش کیا ہے۔ جس کی بنیاد تمام تر عدل و انصاف پر ہے۔ اور جس میں نہ صرف محکوم قوموں بلکہ عام انسانیت کے حقوق متعین اور محفوظ ہیں۔

لیکن جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کلیسا کی استبدادی اور تنگ نظر حکومت نے سارے یورپ کو مذہبی حکومت کا مخالف بنا دیا۔ اور پھر اس کے ذریعہ یہ مخالفت ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اور مغربی قوموں خصوصاً انگریزوں نے اسلام کی مذہبی حکومت کو اپنے سیاسی مصالح کی بنا پر شہویت کے ساتھ زیادہ بدنام کیا۔ اور بعض مسلمان بادشاہوں بالخصوص عجمی فرمانرواؤں کے غیر اسلامی اعمال نے ان کو بدنام کرنے کا اور زیادہ موقع دیدیا۔ لیکن جو لوگ ان کے اعمال و افعال سے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں وہ

اس فرق کو بھول جاتے ہیں کہ اسلامی حکومت اور مسلمان حکومت اور مسلمان فرمانرواؤں والگ چیزیں ہیں۔

مسلمان فرمانرواؤں کے ذاتی اعمال سے اسلامی قوانین کا قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اور ان کے برے اعمال کی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے۔ ایسے سلاطین و حکمران نہ اسلام کے صحیح نمائندے تھے۔ اور نہ اس کا نظام حکومت اسلامی تھا۔ ان کا مذہب ضرور اسلام تھا۔ لیکن ان کی تہذیب و تمدن اور سیاست و حکومت میں ان کی ملکی اور قومی روایات اور آئین و قوانین کا زیادہ اثر تھا۔ اور مسلمانوں کے پرسنل لا اور بعض دوسرے ظاہری اسلامی اثرات کو چھوڑ کر ان کا نظام حکومت خالص دنیاوی تھا۔ ایسی حالت میں ان کو اسلامی حکومت کہنا اور ان کے اعمال کی ذمہ داری اسلامی قوانین پر ڈالنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ بلکہ جن ملکوں میں عجمی قوموں کے ذریعہ اسلام پہنچا وہ بھی اصلی شکل میں نہیں تھا۔ اور اس میں بہت سے عجمی خیالات و عقائد شامل ہو گئے تھے۔ ایسی حالت میں ان سے خالص اسلامی قوانین پر عمل کی توقع ہی نہیں کیجا سکتی۔ یہ بھی اسلام کا بڑا احسان ہے کہ اس نے بہت سی پرانی تو خوار قوموں کو جذب بنا دیا۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ ایسے بادشاہوں کا طرزِ عمل خود مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔

جہاں ان کے اقتدار اور حکومت کے مفاد کا سوال آجاتا تھا وہ ان کے لئے بھی ایک جابر و ظالم فرمانروا بن جاتے تھے۔ ایسے حکمرانوں کی تاریخ خود مسلمانوں کے ساتھ جنگ

۱۔ مسلمان حکومتوں کو مجاؤ تو اس لحاظ سے لکھا جاسکتے ہیں کہ ان کے فرمانروا مسلمان ہیں۔ لیکن ان پر حقیقی اسلامی حکومت کا اطلاق صحیح نہیں ہوگا ۱۱

د تو نریزی اور وحشت و بربریت سے بھری ہوئی ہے۔ چنانچہ اسلامی ملکوں اور ان کی حکومتوں کے زوال کا ایک بڑا سبب انہی خانہ جنگی بھی ہے۔ تاریخی ہیئت میں پڑنے کا یہ موقع نہیں۔ اس سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے۔ کیا اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ مسلمان مسلمان کا گلہ کاٹے اور ان کو محکوم بناتے رہیں۔ درحقیقت یہ سب کے سب دنیاوی بادشاہ تھے۔ اور ان کی حکومتیں بھی خالص دنیاوی تھیں۔ اور ان کے پیش نظر ذاتی مفاد تھا۔ اور وہ اسلام کے نام کو بھی اپنے مقصد کے حصول کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اگر ان میں اسلامی تعلیم کا کچھ بھی اثر ہوتا تو وہ آپس میں رلا رلا کر اس طرح مسلمانوں کو تباہ نہ کرتے۔ لیکن ہر حکومت میں بعض فرمانروا ذاتی حیثیت سے صالح اور دیندار بھی تھے۔ اور انہوں نے بڑے عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی۔ اور علم و فن، تہذیب و تمدن اور انسانیت اور بعض حیثیتوں سے مذہب کی بھی خدمت انجام دی۔ خود ہندوستان کے بہت سے صالح سلاطین کے زہین کار نامے ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ لیکن ان کی حکومت بھی خالص اسلامی نہیں تھی۔ بلکہ نجی فرمانرواؤں کے مقابلہ میں عرب حکمران نسبتاً بہتر تھے۔ گو خلافت راشدہ کے بعد ان کی حکومت بھی خالص اسلامی نہیں رہ گئی تھی۔ پھر بھی ان میں اسلامی تعلیمات کا کچھ نہ کچھ اثر باقی تھا۔ اس لئے جب تک خلافت کی باگ عرب خلفاء کے ہاتھوں میں رہی اور وہ عجمی قوموں کے اثرات سے بالکل مغلوب نہیں ہو گئے۔ ان کی دنیاوی حکومت بھی اسلامی اثر سے کسر خالی نہیں ہوئی۔ بنی امیہ، دمشق، خلافت عباسیہ کا ابتدائی دور اور اسپین کی

اموی حکومت اس کی شاہد ہیں۔ جنہوں نے انسانیت کی بڑی خدمت انجام دی۔ اور جن کے ذریعہ یورپ میں علم و فن اور تہذیب و تمدن کی روشنی پھیلی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اسلامی تعلیمات کے اصل حامل و مبلغ عرب تھے۔ اس لئے عجم کی نو مسلم اقوام کے مقابلہ میں ان میں اسلامی تعلیم کا زیادہ اثر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جن ملکوں میں ان کی حکومت رہی یا جہاں ان کے ذریعہ اسلام پہنچا ان ملکوں کی کایا لپٹ گئی۔ اور ان کے حسن عمل اور ان کے عدل و مساوات کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ جن ملکوں میں اسلام کی حکومت کبھی قائم نہیں ہوئی اور صرف عرب مبلغین کے قدم پہنچے وہاں بھی اسلام کی روشنی پھیل گئی۔ جزائر شرق الہند یعنی انڈونیشیا اور چین میں کبھی اسلام کی تلوار نہیں پہنچی۔ لیکن آج پورا انڈونیشیا مسلمان ہے۔ اور چین میں چھ کروڑ مسلمان ہیں۔ خود ہندوستان میں مالابار کے سارے ساحلی علاقہ میں عرب مبلغین کے ذریعہ اسلام پھیلا۔ یہ ایک ضمنی بات تھی جو درمیان میں آگئی۔ اصل مقصد یہ کہنا تھا کہ جن حکومتوں کو اسلام کہا جاتا ہے اور جن حکمرانوں کے ذاتی اعمال کو اسلامی سمجھ کر اعتراض کیا جاتا ہے وہ حکومتیں اور وہ حکمران دراصل اسلامی نہیں۔ بلکہ خالص دنیاوی ہیں۔ ان کو اسلامی نظام حکومت اور اس کے قوانین پر عمل سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لئے ان کے اعمال کی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے۔ اسلامی حکومت وہ ہے جس کا نظام قرآن و حدیث کے احکام کے مطابق ہو جس کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے۔ جس میں بلا امتیاز مذہب و ملت رعایا کے ہر طبقہ اور ہر فرد کے ساتھ انصاف برتا جائے ان کے تمام حقوق محفوظ ہوں۔ اور وہ اپنے کو اپنی ملکی و قومی

حکومت سے زیادہ محفوظ سمجھیں۔ اور نہ صرف حکومت بلکہ ہر مسلمان ان کے حقوق کا محافظ اور نگہبان ہو۔ یہ کوئی خیالی آئیڈیل نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں شام کے یہودیوں اور عیسائیوں، مصر کے قبطیوں، شمالی افریقہ کے بربر اور ایران کے مجوسیوں کو اسلامی حکومت پر اپنی ملکی حکومت سے زیادہ اعتماد تھا جس کے واقعات تاریخوں میں موجود ہیں۔ اسلامی حکومت نے غیر مسلموں کو جو حقوق دیئے ہیں اس سے زیادہ اس دور ترقی میں بھی تصور میں نہیں آ سکتے۔ ان کی تفصیل کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اسلام میں غیر مسلم رعایا کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جن کو آج کل شہری حقوق کہا جاتا ہے۔ چند بنیادی حقوق یہ ہیں۔

ان کی جان و مال خواہ وہ کسی شکل میں ہو۔ عزت و آبرو مذہب و عبادت گاہیں محفوظ رہیں گی۔ ان کو اپنے مذہبی مراسم کے ادا کرنے اور اپنے معاشرتی قوانین پر عمل کر نیکی پوری آزادی حاصل رہے گی۔ ان کے مذہبی نظام میں کوئی مداخلت نہ کی جائے گی۔ ان کی جان و مال اور عزت و آبرو مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کے برابر سمجھا جائیگا۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیگا۔ یا اس کے مال و آبرو کو کوئی نقصان پہنچائیگا تو قصاص میں قتل کیا جائے۔ اور مالی نقصان اور بے عزتی کرنے کی سزا پائیگا۔

حکومت کے عہدوں میں تو ان کے حقوق کی تصریح نہیں ہے۔ لیکن دولت بنی امیہ، بنی عباس، دولت فاطمیہ مصر اور اسپین اموی حکومتوں میں چند بڑے ذمہ دار عہدوں مثلاً صوبہ داری فوج کی سپہ سالاری اور قضاوت کو چھوڑ کر جن میں علم دین سے واقفیت ضروری ہے۔

باقی دوسرے عاملانہ عہدوں خصوصاً مالیات کے شعبہ میں ذمی بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے۔ اور انکو ہر قسم کی ترقی کے مواقع حاصل تھے۔

فقہ کی تمام کتابوں میں اسلام کے دوسرے قوانین کی طرح حقوق الذمیین کا بھی باب ہوتا ہے۔ خصوصاً قاضی ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج میں ان کے حقوق کی پوری تفصیل درج ہے۔

علامہ شبلیؒ نے بھی اردو میں اس موضوع پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے۔ جس میں ذمیوں کے حقوق کی پوری تفصیل ہے۔ اور ان اعتراضات کا بھی جواب دیا گیا ہے۔ جو اس سلسلہ میں کئے جاتے ہیں۔

ممکن ہے نئے مسائل و حالات کی روشنی میں ان قوانین میں ترمیم اور بعض نئے قوانین کی ضرورت ہو۔ تو جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے اس کا دروازہ بند نہیں۔ اور علماء مجتہدین اس کام کو کر سکتے ہیں۔ اس بحث میں جو باتیں لکھی گئی ہیں ان کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کا کوئی سچا مذہب بھی انسانی حقوق کے احترام، عدل و انصاف امن و صلح کی تعلیم اور ظلم و جور، فتنہ و شر اور دوسروں کی حق تلفی وغیرہ کی ممانعت اور اس قبیل کی دوسری اخلاقی تعلیمات سے خالی نہیں ہے۔ اور ان کے ذریعہ بھی عدل کے ساتھ حکومت کی جاسکتی ہے۔ اس سے انکار نہیں۔ اسی لیے کسی حکمران قوم کی تاریخ بھی صالح اور عادل حکمرانوں سے خالی نہیں ہے۔

لیکن اصل بحث محض اخلاقی تعلیمات کی نہیں۔ بلکہ

۱۔ یہ کتاب ہارون رشید نے اسلامی قانون خراج پر لکھوائی تھی۔ لیکن اس میں ذمیوں کے حقوق کی بھی پوری تفصیل درج ہے۔ جن پر عباسی دور میں عمل درآمد ہوتا تھا۔

اس لئے اقبال کی دعوت درحقیقت انسانی فلاح و سعادت کی دعوت ہے جس میں تمام برحق اور الہامی مذاہب کی اصولی تعلیمات شامل ہیں۔ انہوں نے شاعری کے علاوہ اپنی کتابوں اور تحریروں میں بھی اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ خیال آتا ہے کہ ”اسرار خودی“ کے انگریزی مترجم ڈاکٹر ”نکلسن“ یا کسی دوسرے ریویو نگار کے اعتراض پر انہوں نے ہی جواب دیا تھا کہ ان کے نزدیک انسان کی سجات اور ان کے تمام مشکلات کا حل اسلام ہی ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اس وقت ان کا اصل جواب سامنے نہیں ہے۔ اس لئے ان کے صحیح الفاظ نقل نہیں کئے جاسکتے۔ مگر اس کا مفہوم قریب قریب یہ تھا۔

پروفیسر آل احمد نے ان کی بعض تعلیمات اور اشعار کے متعلق اپنے کچھ شکوک اور اعتراضات لکھتے بھیجے تھے۔ ان کے جواب میں انہوں نے لکھا تھا۔

”آپ کے دل میں جو باتیں پیدا ہوئیں ان کا جواب بہت طویل ہے۔ اور میں بحالت موجودہ و مل خط لکھنے سے قاصر ہوں۔ اگر میں کبھی علی گڑھ حاضر ہوں یا آپ کبھی لاہور تشریف لائے تو انشاء اللہ تعالیٰ ذیابنی گفتگو ہوگی۔ سر دست میں دو چار باتیں عرض کرتا ہوں۔

۱) میرے نزدیک فاشزم کمیونزم یا زائدہ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں دیکھتے۔ میری عقیدے کے دوسے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے۔ جو بنی نوع انسان کی ہر نقطہ نگاہ سے موجب نجات ہو سکتی ہے۔ میرے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے حقائق اسلامیہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ اگر کوئی خود و توجہ سے یہ مطالعہ کریں تو ممکن ہے کہ آپ انہی نتائج پر پہنچیں جن تک

ان کی قانونی حیثیت کی ہے۔ قانونی حیثیت اور قوت نافذ کے بغیر محض اخلاقی تعلیم کافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اخلاقی تعلیم پر عمل اشخاص کی ذاتی صلاحیت اور سلامت طبع پر موقوف ہے۔ مثلاً ایک صالح حکمران تو اخلاقی تعلیمات پر عمل کرتا ہے۔ لیکن جو حکمران ایسا نہیں ہے اس کو مجبور کرنے والی کوئی قوت ہونی چاہئے۔ یہ قوت آئین و قوانین کی ہے۔

اسلامی نظام کی یہی ایک خصوصیت ہے کہ اس کا پورا آئین اور اس کے قوانین موجود ہیں۔ جن کی پابندی اخلاقی تعلیمات کی طرح ذاتی صلاحیت پر موقوف نہیں بلکہ اس کا نفاذ اور ان پر عمل قانونی فرض ہے۔

اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ جو اسلامی حکمران اس پر عمل نہیں کرتا اس کو مجبور کرنے والی کوئی قوت ہے۔ جس کی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ اس کا جواب ہم پر گزر چکا ہے۔ کہ وہ صحیح حکمران ہی نہیں۔ جو اسلامی قوانین کا پابند نہ ہو۔ اور وہ اسلامی حکومت نہیں جس میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہو۔ اور اس بحث کا مقصد صحیح اسلامی حکومت ہے۔ درحقیقت خالص دنیاوی اور مادی فوائد کے لحاظ سے بھی اسلامی تعلیمات ایسی صداقتوں پر مبنی ہیں جن پر عمل کے بغیر انسانوں کو مادی فلاح اور دنیاوی امن و سکون بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آج انسانی حقوق کے احترام، عالمگیر انسانی اخوت و محبت، معاشی مساوات اور امن و صلح کی آوازیں ہر ملک سے بلند ہو رہی ہیں۔ اور جن باتوں کو دنیا آج نہیں مانتی ان کے کل ماننے پر مجبور ہو گئی۔ اسلام کے نام سے نہ سہی دوسرے ناموں سے سہی۔ اصل مقصد نام نہیں بلکہ کام اور نتیجہ ہے۔ اگر دنیاوی معاملات ہی کی حد تک صحیح اسلامی اصولوں پر دنیا کا عمل ہو جائے تو کم از کم مخلوق خدا کو دنیا میں تو امن و سکون حاصل ہو جائے گا۔

شکل ہے۔ اس بارہ میں قرآن مجید کا وعدہ یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے یہ وعدہ کیا ہے کہ روئے زمین پر ان کو اپنا خلیفہ بنائے گا۔ جس طرح ان سے پہلے والوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

یعنی اختلاف فی الارض ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہے۔

اصول فطرت یہ ہے کہ عملی نمونہ کے بغیر کوئی تعلیم اور کوئی دعوت خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اور ہر دعوت کے لئے ضروری ہے کہ داعی کی پوری زندگی خود دعوت کا عملی نمونہ ہو۔ اس لئے مسلمان جب تک

اپنی انفرادی زندگی میں اسلامی تعلیمات کا مثالی نمونہ پیش نہ کریں گے اس وقت تک محض زبان سے ان کی دعوت بے نتیجہ اور بے اثر رہیگی۔ لیکن اگر وہ اپنے عمل سے ثابت کر دیں کہ اسلام ہی ہر حیثیت سے انسانیت کی فلاح کا ذریعہ ہے تو دنیا خود بخود اس سے متاثر ہوگی اور بغیر دعوت کے اس کی طرف کھچ آئیگی۔ یہ حقیقت خود کو منوالیتی ہے

مانی نہیں جاتی۔ اور یہ اصول نہ صرف اسلام اور حکومت الہیہ بلکہ دنیا کی ہر تعلیم اور ہر نظام کے لئے یکساں ہے۔ چنانچہ اگر آج نسلی و جغرافیائی قومیت و وطنیت کے جذبات سر بلند ہو کر صحیح جمہوری اصولوں پر عمل کیا جائے تو دنیا صحیح جمہوری نظام کو قبول کر لے گی۔ اس لئے کہ وہ تو اپنے مشکلات

کا حل اور اپنے مصائب کا علاج چاہتی ہے۔ یہ علاج جس نظام میں بھی ملے گا اس کو وہ بلا تامل قبول کر لیگی۔ اس لئے اگر مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ انسانیت کے امراض کا علاج اسلامی نظام میں ہے۔ اور یہ دعویٰ یقیناً صحیح ہے۔

تو انہیں عمل سے اس کا ثبوت دینا چاہیے۔ تاریخی حیثیت سے بھی اسلامی نظام کی تبلیغ اور اس کی کامیابی کی بھی

میں ہونچا ہوں۔ یہ ممکن ہے آپ کا ریو یو مجھ سے مختلف ہو۔ یا آپ خود دین اسلام کے حقائق ہی کو ناقص تصور کریں۔ اس دوسری صورت میں ”ستانہ بحث“ ہو سکتی ہے۔ جس کا نتیجہ معلوم نہیں کیا ہے۔ آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میرے کلام کا

بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا ہے۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو میں آپ کو دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس طرف بھی توجہ کریں۔ کیونکہ ایسا کر نیسے بہت سی باتیں خود بخود اسکی سمجھ میں آجائیں گی۔
(رسالہ ماہ نو اگست ۱۹۷۷ء)

ان سطور میں انہوں نے اپنے کلام کے متعلق اس قسم کے تمام اعتراضات کا جواب دیدیا۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ اقبال انسان تھے ان سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ اور انکی بعض تعلیمات میں اختلاف کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ لیکن مجموعی حیثیت سے وہ بلا اختلاف مذہب و ملت تمام قوموں کے لئے درس حیات ہیں۔ اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ تو اقبال کے محترفین کا جواب تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے۔ کہ اپنے نفس اور اپنی ذات پر خدا کے قوانین کی حکومت قائم کئے بغیر سیاسی حکومت الہیہ وجود میں نہیں آ سکتی۔ یعنی جب تک مسلمان اپنے اعمال اور اپنی انفرادی زندگی میں خدا کے احکام کے پابند نہ ہوں گے اور انکی زندگی اسلامی سانچے میں نہ ڈھل جائیگی اس وقت تک حکومت الہیہ کا قیام ممکن ہی نہیں۔ اور جب وہ خود نمونہ عمل بن جائیں گے تو دنیا خود بخود اسلامی نظام کی طرف کھچے گی۔ اور بغیر کسی دعوت و تبلیغ کے حکومت الہیہ قائم ہو جائیگی۔

مذہبی عقیدہ و تعلیم، اصول فطرت اور تاریخی واقعہ ہر لحاظ سے حکومت الہیہ کے قیام کی یہی ترقیب اور یہی ایک

ہم کیوں مسلمان بنائے؟

(ادارہ)

مسلمان کا ماضی و حال ہمارے سامنے ہے۔ جب ہم اپنے ماضی پر نظر ڈالتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ جب مسلمان حقیقت میں مسلمان تھے تو وہ تہذیب و ترقی، امن و راحت اور مین و سعادت کی سب سے بلند سطح پر تھے۔ وہ اخلاق ربانی کا بہترین نمونہ تھے، ان کی فکری صلاحیتیں اور جسمانی قوتیں صحیح نتائج و ثمرات پیدا کر رہی تھیں دنیا کی تمام قوموں سے جذبہ تر اور فائق تر تھے۔ جاہ و جلال اور شوکت و قوت کے مالک تھے۔ علم، عقل، دولت، حکومت، صحت، اہلیت اور غلبہ و تسلط ہمارے قدموں میں تھا۔ حریت و آقا ئی میں ہم ممتاز تھے اور دین و دنیا دونوں میں ہر طرح فاتر المرام و شاد کام تھے۔ یہ دیکھ کر ہم وجد میں آجاتے ہیں۔ دنیا کے سامنے بڑے فخر و تمکنت کے ساتھ اپنے شاندار ماضی کو پیش کرتے ہیں۔ اپنی روایات کے گیت گاتے ہیں اور اقوام عالم سے اسلام کی صداقت و حقانیت منوانے پر اپنا تمام زور بیان اور زورِ قلم صرف کر دیتے ہیں۔

لیکن جب ہم اپنی موجودہ حالت کا جائزہ لیتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ وہی مسلمان ہوا اپنے شاندار ماضی پر فخر کرتے ہیں۔ آج جہالت، افلاس، بیکاری، بدکاری، اتفاق، شقاق، تشدد و پرانندگی، ضعف و ناتوانی، بستی و گونہ ساری، تنزل و انحطاط اور ذلت و رسوائی کا شکار ہیں۔ یہ دیکھ کر سینکڑوں قابل مخلص اور منفرد بلاغ زوال و انحطاط کے اسباب و علل کی تحقیق و

تفتیش میں لگ جاتے ہیں۔ طرح طرح کی کوششیں اور تدابیر عمل میں لاتے ہیں۔ مگر کبھی سہی مسلمان ہیں کہ بتدریج ضعف و نقاہت، فساد مزاج اور گونا گونہ امراض کے بجنور سے نجات نہیں پاتے۔ پاکستان کے قیام کے بعد بھی جبکہ وہ آزاد و حکمران ہیں، اپنی بگڑی ہوئی قیمت نہیں بناتے، اسلامی نصب العین اور اسلامی اصولوں کے مطابق انقلاب ذہنیت، تطہیر فکر، تشکیل ملت، تعمیر سیرت اور اصلاح احوال کا نشان تک نہیں ملتا۔ بلکہ اور انٹا اسلام سے اپنا بیچھا چھڑا کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ یہی سہی اسلامیت بھی خطرہ میں ہے۔ دین و اخلاق کی قدر و قیمت کم ہوتی جا رہی ہے۔ مظالم و مفاسد، بے دینی و عیاشی میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور اسلامی انقلاب کی آرزوئیں سینوں میں دم توڑتی نظر آرہی ہیں۔

ہمارے حیرت و استعجاب کی کوئی حد باقی نہیں رہی جب ہم امت کے یہ دو متضاد دور دیکھتے ہیں۔ اور ہمارے سامنے ہمہ حیرت انقلاب، ترقی و تنزل، ارتقاء و انحطاط، رفعت و پستی اور سر بلندی و گونہ ساری کی متضاد منتر لیں و مدارج آتے ہیں۔ آئیے اس تضاد اور ناکامی و تنزل کے اسباب و علل کا کھوج لگائیں۔

قوموں کے عروج و زوال کے قرآنی اصول

دنیا میں بیشمار قومیں خاک گناہی سے اٹھیں اور آسمان شہرت پر چمک کر بھر گئیں۔ سینکڑوں قانون بنے اور بگڑے، ہزاروں آئین مرتب ہوئے اور مٹ گئے۔ لاکھوں فلسفے اور تہذیبیں اُبھریں اور بالآخر تاریخ کی زینیت بن کر رہ گئیں۔ اس انقلاب بدامالی اور تغیر پذیر دنیا میں کسی قوم، کسی قانون، کسی آئین، کسی فلسفے اور کسی تہذیب کو قرار و ثبات نصیب نہ ہوا۔ یہاں تعمیر و تخریب، شکست و ریخت اور فنا و بقاء کی قوتیں برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں۔ تغیر و انقلاب اس عالم آب و گل کا پرانا دستور ہے۔ اور قانون انقلاب کسی قوم کو ایک حالت پر نہیں رہنے دیتا۔ ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک جس چیز نے تغیر و انقلاب قبول نہ کیا وہ صرف قانون انقلاب ہے۔

یہ قانون انقلاب مادہ نے خود نہیں بنایا۔ بلکہ اس کا واضع اور خالق وہ مادہ و المادہ ہستی ہے جو ان ظاہری آنکھوں سے تو مخفی ہے مگر دیدہ بصیرت کے لئے عالم آشکار ہے۔ خالق کائنات نے جو قانون انقلاب مقرر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کا رجحان سہمی و عمل میں وہی نوع باقی رہ سکتی ہے جس میں باقی رہنے کی صلاحیت ہو۔ جو قوم زندگی اور ترقی کی اہل نہیں رہتی وہ فنا ہو جاتی ہے۔ اسے کوئی رعایت اور مہلت نہیں دیجاتی۔ خواہ وہ چار ہزار نبیوں کو ماننے والی قوم یہودی ہو یا قرآن پر ایمان رکھنے والی قوم مسلمان۔ اعمال کے ظہور نتائج میں لمحہ بھر بھی تقدیم و تاخیر

نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ فرمایا: **وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهَا لَا يُسْتَأْخَرُونَ سَاعَةً وَلَا يُسْتَقَدَّمُونَ ۗ** اور ہر امت (گروہ، جماعت اور نوع) کے لئے (ظہور نتائج کا) وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجائے ہے تو پھر ایک ساعت کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔

اس اصولی نکتہ کے بعد اگلی آیت میں نوع انسان کو یہ سمجھایا اور بتلایا کہ زندہ رہنے، آگے بڑھنے، ترقی کرنے اور دو

جہانوں میں کامیاب و باعزاد ہونے کا دستور و قانون یہ ہے: **يَذْكُرُ الْأُمَرَ مَا يَأْتِيَنِيكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَفْصَحُونَ عَلَيْكُمْ ۖ أَيْتِي مَنِ الْقَتْلَى وَأَصْلَحْ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۗ** ای آدم کے بیٹو! جب کبھی ایسا ہو کہ میرے رسول تمہارے پاس آئیں اور میرے قوانین سے تمہیں مطلع کریں، سو اس وقت، جو ان قوانین کی پابندی و پیروی سے میری، حفاظت میں آجائیں گے اور دیوں اپنے اندر زندہ و باقی رہنے اور ترقی کرنے کی، صلاحیت پیدا کریں گے۔ تو اس پر زوال پذیر ہونے اور مٹ جانے کا کوئی غم و اندیشہ نہ رہیگا۔

یعنی جو لوگ قوانین اللہ کے مطابق زندگی بسر کریں گے وہ تو باقی رہیں گے، آگے بڑھیں گے اور ہلاکت و بربادی سے محفوظ رہیں گے۔ اس کے برعکس **وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۗ** جو لوگ ان قوانین کو جھٹلائیں گے اور ان سے سرکشی کر کے اپنا قانون آپ بنائیں گے، اپنا ضابطہ حیات خود گھڑیں گے، خود بینی، خود رانی اور تکبر و انانیت کا ثبوت دیں گے، بے پروائی برتیں گے تو وہ لوگ اہل جہنم ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

انسانوں کیلئے صحیح نظام زندگی پہلی آیت میں قوموں کی موت

و حیات کا ایک اصولی قانون بیان کیا گیا۔ اس کے بعد وضاحت کر دی گئی کہ ہلاکت سے مامون اور بربادی سے معصون رہنے اور بخوف زندگی بسر کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ انسان خود بینی، خود رانی اور تکبر و انانیت سے باقاعدا تھا کر قانون الہی کے سامنے سر جھکا دیں۔ اور اس ضابطہ حیات کو اپنا نصب العین حیات بنائیں۔ جو حضرات انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے انسانوں کو ملے۔ قوانین اللہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کا لازمی اور فطری نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں وہ صلاحیت و قوت پیدا ہو جائیگی جس سے وہ فنا و برباد کر دینے والی مخالف قوتوں کا

مردانہ اور مقابلہ کر سکیں گے۔ زوال و انحطاط سے محفوظ رہیں گے اور بخوف زندگی کے مالک بن جائیں گے۔ اس کے برخلاف جو لوگ اللہ کے پیچھے ہوئے ضابطہ حیات کے بجائے اپنے خیالات و نظریات کو شاہراہ عمل بنائیں گے۔ یا دوسروں کے من گھڑت اسوۂ خیال و عمل کی پابندی کریں گے اور سیاست و تمدن میں اپنے نفس خاویع اور گمراہ عقل کو اپنا ہادی اور رہنما بنائیں گے وہ دین و اخلاق اور صداقت و حقانیت سے محروم ہو کر لامحالہ زوال و انحطاط کا شکار ہوں گے۔ عدول زندگی سے تجاوز کریں گے۔ دنیا میں فسق و فجور اور ظلم و فساد کی آگ لگائیں گے۔ اور پھلا آفرینا و برباد ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ قانون ارتقاء و انسانیت کے تحفظ اور

عروج و صعود کے لئے صحیح ضابطہ ہے وہ صرف خدا کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت ہے۔ سارا قرآن اسی اصولی مقصد کی تشریح ہے۔ وہ اسی بنیاد پر ایک مکمل نظام حیات عطا کرتا ہے۔ اقوام سابقہ کے عروج و زوال کی داستانیں سناتا ہے۔ اور قرآن پر ایمان لانے والی امت کو بار بار تاکید و ہدایت اور تنبیہ کرتا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّهُ يَمْشِي فِي بَيْنِكُمْ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذُنُوبِكُمْ ۖ وَأَطِيعُوا أَمْرَ اللَّهِ وَأَطِيعُوا أَمْرَ الرَّسُولِ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۚ** اور تیسرا پروگرام ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ ۖ هُمْ يَسْمَعُونَ أَلْسِنًا ۖ لَا يَفْقَهُونَ شَيْئًا ۖ لَئِنْ لَمْ يَنْهَ الْأُولَىٰ عَنْ الْعِلْمِ بِالْكِتَابِ لَآتَيْنَهُمْ مِنْهُ لَعْنَةً ۖ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ مُّذِلٌّ ۚ** اور تیسرا پروگرام ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ ۖ هُمْ يَسْمَعُونَ أَلْسِنًا ۖ لَا يَفْقَهُونَ شَيْئًا ۖ لَئِنْ لَمْ يَنْهَ الْأُولَىٰ عَنْ الْعِلْمِ بِالْكِتَابِ لَآتَيْنَهُمْ مِنْهُ لَعْنَةً ۖ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ مُّذِلٌّ ۚ**

اسے کسی کی کوئی پرواہ نہیں کہ تم اس کے قوانین کی اطاعت و پیروی کر دیا نہ کرو، اور وہ رحمت والا ہے (یہ تو اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ تمہیں نظام زندگی عطا کر کے فساد و نقصان، زوال و انحطاط اور ہلاکت و بربادی سے بچائے، اگر وہ چاہے، تو اپنے قوانین مشیت کے ماتحت، تمہیں ہٹا دے اور تمہارے بعد جس قوم کو چاہے تمہارا جانشین بنادے اور تم اسی خیال میں گن رہو کہ ہم مومن ہیں مسلمان ہیں، جنتی ہیں، اللہ کے پیارے ہیں اور اللہ و رسول کے عاشق ہیں، جس طرح اس نے ایک دوسری قوم کی ذریت سے تمہیں اٹھا کھڑا کیا ہے۔

اس قانون اختلاف و استبدال سے قرآن میں، بار بار مسلمانوں کو میدانِ آگاہ کرتا اور ظہورِ نتائج سے ڈراتا ہے۔ ساتھ ہی وہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں یہ تصور و اعتقاد و حقیقت بھی اتارتا ہے کہ جو لوگ قوانینِ الہیہ کی جگہ انسانوں کے خود ساختہ قوانین و نظام کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہیں وہ شرفِ انسانیت اور ارتقاء انسانیت کی بلند سطح سے گر کر حیوانیت کے درجہ میں آجاتے ہیں۔ وہ دین و اخلاق سے بیزار ہو کر نفس و شیطان کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔ موجودہ زندگی کی راحتوں اور لذتوں پر مرتے ہیں۔ ان کا مقصد زندگی محض طبعی حیات کی پرورش اور تحفظ و بقا، اور خدمت نفس ہوتا ہے۔ اس سے آگے کچھ نہیں۔ اور جو قوم اعلیٰ اخلاقی قدروں و خدمتِ خلق اور ارتقاء انسانیت سے غفلت برتتے وہ بالآخر ہلاک و برباد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: **وَكَايْنِ مِّنْ قَوْمٍ قَسِيَّةٍ ۖ هِيَ آسَلَتْ قُوَّةً مِّنْ قُوَّتِكَ الَّتِي أَخْرَجْتَهُمْ مِنْ أَهْلِكَ ۖ لَعْنَهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۚ** اور کتنی ایسی بستیاں تھیں جو قوت و شوکت اور تہذیب و ترقی میں ان لوگوں سے بھی بڑھ کر تھیں جنہوں نے تمہیں دیا رسول اللہ، باہر نکال دیا ہے۔ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ سوان کا کوئی مددگار نہ تھا۔

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ کافر و مشرک قومیں بالآخر تباہ و برباد ہوئیں اور ان کو ان کی سیاسی، تمدنی اور تہذیبی ترقی، شوکت و عظمت، شہرت و وقعت اور مادی کامرانی کچھ کام نہ آسکی۔

پس انسانوں کے لئے صحیح نظام زندگی وہی ہے جو پروردگارِ عالم کی طرف سے ان کو ملا ہے۔ یعنی دین اسلام۔ اس فطری نظام کا فطری نتیجہ وہ سب کچھ ہے جس کی تلاش میں آج ساری دنیا سرگردان و حیران ہے۔ اور فکر انسانی ٹھوکر میں کھاتا پھرتا ہے۔ اسلام فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے

وہ دین و دنیا میں فائز و شاد کام ہوئے۔

انہوں نے قرآن حکیم سے قوموں کے عروج و زوال کے اُن اصول و قوانین کو اس تفصیل کے ساتھ سمجھا ہوا نہ سمجھا ہو۔
تو تفصیل ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں۔ اُنہی بات قطعی اور یقینی ہے کہ انہوں نے اسلام کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔
کہ اسلام کا طرہ اطاعت الہی کا نام ہے۔ زندگی کے تمام معاملات و مسائل قوانین الہیہ کی اطاعت و پیروی کرنی چاہئے۔ تلذذ تعیش، نفس پروری، خود غرضی، خود رافٹی اور تن آسانی کا ان میں نام و نشان بھی باقی نہ رہا تھا۔ انہوں نے یہ بھی جان لیا تھا کہ ہدایت و فضیلت، ترقی و ترقل اور رفعت و پستی کا دار و مدار تشبہ بالانبیاء علیہم السلام اور تشبہ بالکفاد پر ہے۔ جس طرح تشبہ بالانبیاء علیہم السلام میں فرائض، واجبات، سنن، مستحبات اور مباحات ہیں۔ اسی طرح تشبہ بالکفاد میں مہرات، مکروہات، تحریمہ و تنزیہہ ہیں۔ یہی حال تک کہ فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کو ادا کیا اور مہرات و مکروہات سے کلیتہً محترز و مجتنب ہے۔ اسلام اور غیر اسلام میں تمیز کرتے تھے۔
الغرض وہ اپنے علم و عمل، صورت و سیرت، اخلاق و اعمال اور عادات و اطوار جملہ مسائل زندگی میں مومن اور مسلمان تھے۔
اس دور سعادت کے بعد جب فساد و بگاڑ کا زمانہ آیا تو شعوری مسلمان کم اور تقلیدی و رسمی مسلمان زیادہ ہونے لگے۔
ایسے لوگوں کی کثرت ہوتی چلی گئی جنہوں نے نہ پیغمبر کو دیکھا نہ پیغمبر کے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ دین و اخلاق کو نہ نبی سے حاصل کیا اور نہ صحابہ سے۔ نہ اپنی سعی، کاوش، کوشش شوق اور غور و فکر سے دین کو اختیار کیا۔ بلکہ اپنے باپ و مولا کی میراث میں جہاں اور چیزیں پائیں وہاں دین و مذہب کو بھی پایا۔ جوں ہوں زمانہ نبوت سے دوری ہوتی گئی مسلمان شعوری مسلمان سے تقلیدی مسلمان بنتے چلے گئے۔

مسلمانوں کو حیات کے تقاضوں کو حدود اللہ کے تابع رکھنا سکھانا اور ارتقائی منازل طے کرنا تکمیل تک پہنچانا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ لہذا اگر ہم مسلمان قوانین الہیہ کے تابع زندگی بسر نہ کریں تو ہمارا مسلمان ہونا دونوں برابر ہیں۔

شعوری مسلمان اور تقلیدی مسلمان !

عہد نبوت اور خلافت راشدہ کے مسلمان اس چیز کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ہم کیوں مسلمان ہیں؟ اسلام کے بنیادی و اساسی تصورات و عقائد کیا ہیں؟ اس کے مقاصد و مطالبات کیا ہیں؟ اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ اور ہم پر کون کون سے حقوق و فرائض کی ادائیگی لازمی ہے؟ ان تمام امور کو انہوں نے اچھی طرح سمجھا۔ اور پھر عملاً تمام احکام و فرائض کی پابندی کی۔ انہوں نے براہ راست پیغمبر سے دین کی تعلیم حاصل کی۔ اپنے کانوں سے انکی باتوں کو سنا اور ان کو اپنے دل میں جگہ دی۔ ان کے دل و دماغ اسلام کے سانچوں میں ڈھل گئے۔
اپنی جان و مال اور عزت و آبرو سے زیادہ اسلام کو پیارا سمجھا۔ ہر طرح اس کی اشاعت میں سامعی ہوئے۔ جان و مال اور اولاد کی قربانیاں دے دے کہ اس کی حفاظت کی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ٹھیک ٹھیک اپنے نبی کے قدموں پر چلے۔
ہر برائی سے اور ہر عیب سے پاک و صاف ہے۔ اپنی عادت اور اپنی سیرت میں اپنے نبی سے مشابہت اور اخلاق و اعمال میں اپنے پیغمبر سے پوری پوری مناسبت پیدا کی۔ اس لئے ہر قسم کی ترقی و کامیابی، سن و خوبی اور خیر و سعادت نے ان کے قدم چومے۔ غیر الہام کہلائے۔ جہاں و جلال کے ارفع مناظر پر نظر آئے۔ اور ان حیرت انگیز طاقت نے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے۔ یعنی وہ شعوری مسلمان تھے۔ اس لئے

تمدن کا دلدادہ ہے۔ اسلامی تمدن کا ساری دنیا میں کمپن نام نشان بھی نہیں۔

اسلامی تمدن کا شوکت و قوت سے محروم ہونا مسلمانوں پر قیامت ڈھا گیا۔ یہ ایک ظاہر اور مانی ہوئی حقیقت ہے کہ جو مذہب اور ہونہر سیاسی قوت اور شوکت و قوت سے محروم ہو اس کی حیثیت ایک یتیم و لادارث بچہ کی سی ہوتی ہے آج اسلام کی بھی یہی حیثیت ہے۔ اسی لئے وہ خود مسلمانوں اور اقوام عالم کے لئے نظر فریب، دلپذیر اور قابل عمل نہیں۔ خود مسلمان کہتے ہیں کہ اب دنیا میں اسلامی نظام رائج نہیں ہو سکتا۔ اب تو دنیا والوں کی نجات اشتراکیت میں ہے۔ یا سرمایہ داری میں۔ کیونکہ اشتراکیت اور سرمایہ داری شوکت و قوت کی مالک ہے۔ بعض نادان مسلمان مفکر سمجھتے ہیں کہ اسلام کو شہرت و قبولیت اور مسلمانوں کو شوکت و قوت سے محروم اقوام یورپ نے کیا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ اگر مسلمان اسلام کی صراط مستقیم پر قائم رہتے، اسلامی نظام کو قائم رکھتے اور اپنے اند دینی و سیاسی ضعف و اضمحلال نہ آنے دیتے تو اقوام یورپ کی کیا طاقت تھی کہ وہ مسلمانوں کو سیاسی قوت سے محروم کر دیتے۔ دراصل یہ مسلمانوں ہی کی کمزوری و نااہلی ہے کہ وہ سیاسی حیثیت سے عاجز و در ماندہ ہیں۔

صد اول کے بعد اکثر و بیشتر مسلمانوں نے اپنے دین کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو وحی الہی کی روشنی سے محروم، مگرہ اور مردہ قوموں نے کیا تھا۔ وہ یہ کہ دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی دین و سلطنت کو علیحدہ علیحدہ حلقوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ مخالفت بڑھتے بڑھتے نفرت اور خصومت کا رنگ اختیار کر گئی۔ دینی پیشواؤں نے مسجدیں، درسے، خانقاہیں اور زامیے منہمال لئے۔ اور سیاست کے جھگڑوں جھیلوں سے اپنی جان چھڑا کر گوشوں میں جا بیٹھے۔ اور سیاست و

سوچنے سمجھنے کی قوتیں بیکار و معطل ہوتی چلی گئیں۔ دین و اخلاق کی قدر و قیمت گھٹتی چلی گئی۔ اور تلذذ، تعیش، تن آسانی، نفس پروری اور خود غرضی مسلمانوں کے دل و دماغ میں گھر کر تی چلی گئی۔ اصلی دینی محبت سے بے بہرہ ہو گئے۔ ان کے دل اصلی ایمان کی روشنی سے خالی اور انکی زندگی عمل صالح سے محروم ہوتی چلی گئی۔ مذہبی بوش اور دینی ولولہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ امتداد مدت اور اختلاف طبائع سے اتفاق میں خلل آ گیا۔ اختلاف فہم اور اختلاف اعراض نے فقہ بندی کو پیدا کیا۔ اور دین واحد کے ٹکڑے ٹکڑے۔ دلوں کی پاکی اور نیتوں کی صفائی جاتی رہی۔ تشبہ بالانبیاء کی جگہ تشبہ بالکفار نے لے لی۔ نبوت کی پیروی کا داعیہ اور انقیاد، رسالت کا جذبہ صادقہ ہمارا رہا۔ اور مسلمانوں کی صورتوں اور سیرتوں نے بجائے اتباع کے ابتداء کی راہ اختیار کر لی۔ ذوق اتباع فنا ہو گیا۔ اور مسلمان محض نسلی اور رسمی مسلمان بن کر رہ گئے۔

یہ ہیں وہ اسباب و علل جنکی وجہ سے مسلمانوں کے ماضی و حال میں تضاد اور زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسلامی تمدن اور شوکت و قوت محرمی

علاوہ ازیں ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ اسلامی تمدن شوکت و قوت سے محروم ہو گیا۔ اسلامی تمدن کی بنیاد سادگی، زہد و قناعت، ہدایت و خدا پرستی اور سنن نبوت پر تھا۔ اسکی جگہ عجمی اور فرنگی تمدن نے لے لی۔ علمائے سود، پیران ریاکار اور شاہان اسلام تینوں طبقوں نے مل کر دین و اخلاق اور تمدن و سیاست کا سارا اسلامی نقشہ ہی بگاڑ دیا۔ آج حالت یہ ہے کہ سادہ لوح اور جاہل عوام ہندوستان تہذیب و تمدن میں گم ہیں۔ اور تعلیم یافتہ و ملادار طبقہ فرنگی

حکومت پر فاسق و فجار اور کفار و مشرکین نے قبضہ کر لیا۔ دین و سیاست کی یہ تفریق و مفاخرت بڑھتے بڑھتے عداوت، خصومت اور رقابت کا رنگ اختیار کر گئی۔ دونوں طرف رقابت و تنافس کی جنگ شروع ہوئی اور برہمنیت و لوکیت کی تمام وہ لعنتیں جن کو اسلام نے مٹا یا تھا پھر مسلمانوں پر مسلط ہو گئیں۔ امت کے اجتماعی حیات کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ مسکینی و دلگیری، مجبور و فحش، راحت و سکون اور نواب آلود پاکبازی کا نام دین قرار پایا۔ اور عیاشی و بدکاری، ظلم و سفاکی اور بود و تعدی سلطنت و حکومت پر غالب آگئی۔ الغرض مسلمانوں میں رہبانی تصور نے پیدا ہو کر ان کو شوکت و قوت سے محروم کر دیا۔ اگر وہ علما و عملاً کتاب و سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہتے تو یہ حقیقت روز منظر آج دنیا کے سامنے نہ ہوتی۔

سلطنت و نبوت میں چوٹی امر کیساتھ ہے

قرآن و حدیث سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سیاسی و شرعی امارت میں تفریق نہ صرف ناممکن ہے بلکہ تمام اسلامی مقاصد و مطالبات پر پانی پھیر دینے والی ہے۔ اسلام بس بس سے یہ تصور ہی باطل ہے کہ شریعت بغیر اقتدار کے زندہ رہ سکتی اور جہادی ہو سکتی ہے۔ یا سلطنت و حکومت بغیر شریعت کے اسلام کی صراط مستقیم پر چل سکتی ہے۔ دین سیاست اور بغیر سیاسی مذہب لایعنی چیز ہے۔ مگر مسلمان صدیوں سے بے دین سیاست میں اپنی ترقی و کامرانی کی راہیں ڈھونڈ رہے ہیں اور مذہبی پیشوا سیاست سے کنارہ کش ہو کر شریعت کو قائم رکھنے کی حماقت میں مبتلا ہیں۔

مسلمانوں نے مذہب و سیاست میں تفریق فیصلہ کی کہ اللہ کو بھلا یا رسول کو بھلا یا، اسوۂ نبویؐ ادا نا رہی اہل سے

آنکھیں بند کیں۔ نہیں بلکہ اپنے اجتماعی فرض کو فراموش کر کے اپنے عمل سے اللہ کی تکذیب کی (خودہ باند) رسولؐ کی تردید کی۔ اور قرآن کی تفسیر کی۔ نتیجہ یہ کہ سیاسی و اقتصادی کمزوری و غلامی ان کے گلے کا پار بن گئی۔ غلامانہ بیچارگی اور مجبوری کی بیخوشی ان پر اتنی غالب آئی کہ ذلت و رسوائی، گداگری، تقالی اور اختیار نوازی میں انہیں لذت و راحت محسوس ہونے لگی۔ تو نظام پارہ پارہ ہو گیا۔ اسلامی سیرت و کردار کا نام و نشان ہٹک نہ رہا۔ اور ذہن و خیال کی تمام صلاحیتیں مٹ گئیں۔

آج برسرِ اقتدار، صاحبِ ثروت اور اربابِ فکر و نظر مسلمانوں کو دوسری قوموں کے سامنے اسلام کا نام لیتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اپنے اسلام سے بیزار و نالاں ہیں، پہلوی نظام کے قیام کو ناممکن سمجھتے ہیں۔ اسلامی نظام کا نام سن کر کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ اسلامی حکومت کے نام سے لڑتے ہیں۔ وہ اسلام کو ناز و فخر، حج و زکوٰۃ، درد و وظائف عرس و قوالی اور نکاح و طلاق سے آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ سیاسیات و اقتصادیات کے نزدیک بھی پھٹکنے نہیں دیتے۔ اُسے کسی اقتدار و اختیار کا اہل نہیں سمجھتے۔ ایک مکمل نظام حیات کو مسجد و مدرسہ اور خانقاہ میں مقید و محصور کر رکھا ہے۔ وہ کفار و مشرکین اور لمحہ دین سے زیادہ اسلام سے خائف ہیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اسلامی نظام حکومت و سیاست میں سرمایہ داری اور اشتراکیت کی موت ہے۔ اس میں وہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کو بیکار و مفلس بنا کر بابرہش کوش کا نفرین نہیں لگا سکتے۔ اور ان کو نفس پرستی، بے حیائی، عیاشی اور فحاشی کا موقع نہیں مل سکتا۔ الغرض یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ خود مسلمان ارباب و اقتدار کا وجود اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ انہوں نے اسلامی نظام کے قیام کی راہیں روک رکھی ہیں۔ اور وہ دین و اخلاق کو برسرِ اقتدار نہیں آنے دیتے

قوت و شوکت کی کافر مائیاں | چونکہ اپنوں دین و اخلاق

کو قوت و شوکت سے محروم کر رکھا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا اخلاقی زوال روز افزوں ترقی پر ہے۔ انکی رہی سہی دینداری بھی خطرہ میں ہے۔ عوام کا رجحان بے دینی کی طرف ہے۔ اور احیاء اسلام کا خواب پریشان ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ دنیا میں قوت و شوکت جس چیز کا ساتھ دیتی ہے وہ قدرتی طور پر انسانوں کے لئے نظر فریب ، موذیر اور قابل قبول ہوتی ہے۔ خواہ وہ حق ہو یا باطل ، کفر ہو یا اسلام اور خوبی و کمال ہو یا برائی و ذوال۔ کفر و شرک اور فواحش و منکرات بھی جب قوت و شوکت کی حمایت میں آجاتے ہیں تو عوام کے دل و دماغ میں گھر کر جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اقتدار سے محرومی کمزوری کس مہر سی، بیکی، مغلوبیت اور ناتوانی وہ مملکت و عظیم

ہے کہ بڑی سے بڑی سچائی، خوبی، کمال اور نیکی کو بھی عام طبائع کے لئے حقیر اور ناقابل التفات بنا دیتی ہیں۔

پس ہر اس مسلمان کا سب سے بڑا اھم سب سے پہلا فرض ہے جو مسلمان کی حیثیت سے جینا اور مرنا چاہتا ہے۔ اور جو دین و اخلاق کی حقیقی قدر و قیمت کو سمجھتا ہے۔ کہ وہ اس بات کو اچھی طرح عقل و نقل کی روشنی میں سمجھے کہ ہم کیوں مسلمان ہیں؟ اسلام کا دعویٰ کر نیکے بعد ہم پر کیا ذمہ داریاں اور پابندیاں عائد ہوتی ہیں؟ ہم پر کیا حقوق و فرائض ہیں؟ اور ہم کس طرح دنیا میں اسلامی انقلاب برپا کر سکتے ہیں؟

دیندار طبقوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی تمام تر ذمہ داریاں و ذمہ داریاں مآلات کا حل تلاش کرنے پر صرف کر دیں۔ انکی عام تبلیغ کریں۔ عوام کو ان سے آگاہ کریں۔ اور عوام و خواص صوب کے صوب اسلامی سیرت و کردار کے حصول کو اپنا مقدم و اہم فرض سمجھیں۔

بقیہ ۳۳۔ ڈاکٹر اللہ جوایا صاحب نے سر کوڑ کر پہلو بدلتا چاہا۔ اشارہ سے منع فرمایا۔ اسی حالت میں رات کے ۳ بجے آپ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شہر لاہور میں ایک مجذوب رہتے تھے۔ جو کسی سے کلام نہ کرتے تھے۔ وصال کے بعد لوگوں نے انہیں حضرت مرحوم کے مکان کے سامنے دروازے پر بٹھاتے ہوئے دیکھا۔ جنازہ کے ہمراہ بھی یہی مجذوب صاحب دعوتے تھے۔ اور راستہ کو تنکوں اور دیگر اشیاء سے صاف کرتے تھے۔ اور بار بار فرماتے تھے۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم مچے شہر لاہور میں اس دن درو دیوار سے حسرت برس رہی تھی۔ بازار و دفاتر بند ہو گئے۔ بعد نماز فجر جنازہ اٹھایا گیا۔

لیے لیے بانس باندھے گئے۔ مگر مشتاقان جمال کا اس قدر حجوم تھا۔ کہ جنازہ کو کندھا دینا مشکل تھا۔ مسجد وزیر خان مرحوم میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور دوسرے دن صبح بذریعہ ریل آپ کا جسد اطہر بھیرہ میں لایا گیا۔ اور آپ اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

تاریخ وصال

۱۳۳۳ھ (از مولوی محمد سعید صاحب دین پوری)

گل رنگین محمد زکریا بود تو لداں رعنا
عمرش طلب از طبیب بطحا۔ یا دی طبیب۔ دال؟ را
خاتمہ اش برضا و دعا دلبر قدسی گر دیدہ
تاریخ وصال گفت سعید برضا و لب بدعا
ایضاً

تذکرۃ الطہر

سید العاشقین حضرت مولانا الحاج محمد ذاکر بگوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبد الغفور صاحب بگوی رحمہ

ذکر مذکور ہے جہاں کی تجلی کے لئے
ذکر ذکر بھی ہے اک دل کی تسلی کے لئے
طاق ابرو تو بنا قبلہ صاحب نظراں !
اور یہ کعبہ بنا قبلہ مصطفیٰ کے لئے
دل آشفقہ ہوا دعوت غم پر مامور
ساغر درد سے ہے اس کو منائے سرور (ذخود)

ابتدائی حالات | آپ حضرت زبدۃ العارفين کے فرزند
اکبر اور سچے جانشین ثابت ہوئے۔
آپ کی ولادت ۱۲۹۳ھ میں ہوئی۔ حضرت زبدۃ العارفين رحمہ
نے ارشاد فرمایا:

بانت خدا آوازہ داد * لذا کہ کشادہ باد !!
آپ کا تاریخی نام گل رنگین محمد ذکر ہے۔ بچپن سے ہی آثار

سعادت چہرہ انور سے نمایاں تھے۔ فہم و ذکا کی یہ حالت تھی کہ
چھوٹی عمر میں ہی مروجہ درسی کتابوں سے فارغ ہو گئے۔ آپ
اپنے والد محترم حضرت زبدۃ العارفين رحمۃ اللہ علیہ سے علوم
معقول و منقول حاصل کئے۔ بعد ازاں مدرسہ طبیبہ دہلی میں
حاذق الملک حکیم عبد المجید خان صاحب مرحوم سے علوم طبیبہ
کی تعلیم حاصل کی۔ اپنے عم محترم حضرت مولانا غلام محمد

بگوی رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف کی کتابیں پڑھیں۔ اور مولوی
سال کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی کے امتحان مولوی فاضل
میں اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہوئے۔ اور ابھی سبزہ آغا نہ تھے
کہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے قائم کردہ مدرسہ حمیدیہ
میں بحیثیت مدد مدرس مولوی فاضل کے طلباء کو پڑھانے
پر مامور ہوئے۔ بڑی بڑی معرووں والے علماء آپ کی خدمت
میں حاضر ہو کر علمی استفادہ کیا کرتے تھے۔ اور نومر فاضل
کی زبردست علمی اتحاد اور تبحر کو دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔
درعہ تقویٰ، محبت علماء و مشائخ اور اپنے سلسلہ کے پیران
عظام کے ساتھ عشق کا جذبہ آپ میں بچپن سے موجود تھا۔
ایک دفعہ حضرت زبدۃ العارفين سے درخواست کی کہ مجھے
تونس شریف کے سفر میں ہمرکابی کی اجازت دی جاوے۔
اجازت نہ ملنے پر بے حد غمگین ہوئے۔ اور حضرت زبدۃ
العارفين کی روانگی کے بعد پیدل سفر کرتے ہوئے خوشاب
پہنچے۔ خوشاب سے سواری ریل تونسہ شریف پہنچے۔
کپڑے پٹے ہوئے اور چہرہ غبار آلود تھا۔ وہاں رات کو
مسجد کے صحن میں سو گئے۔ صبح بعد نماز فجر مسجد کے دالان
میں خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ وہاں سے حضرت

خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ کا گذر ہوا۔ آپ قدم بوسی کے لئے آگے بڑھے۔ مگر حضرت خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ نے نور فرست سے پہچان کر ہاتھ پڑھ لئے اور اپنے سینے سے لگایا۔ حضرت زبدۃ العارضین بھی حضرت خواجہ کے ہمراہ تھے۔ اپنے فرزند کو بایں ہیئت گذائی دیکھ کر حیران تھے۔ کہ حضرت خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ”مولوی صاحب آپ کا یہ فرزند بلند اقبال اور عالی ہمت ہے۔ آپ اس کے ساتھ حدیث مہربانی سے پیش آیا کریں۔ اللہ کے نزدیک اس کا بڑا مرتبہ ہے۔“ حضرت والدہ صاحبہ کی زبانی سنا گیا ہے کہ آپ بچپن میں ہی تہجد خوان اور عابد و زاہد تھے۔ ماہ رمضان المبارک کے علاوہ بھی اکثر روزہ کی حالت میں رہنا پسند فرماتے تھے۔

بیعت و ارشاد

بقول مصنف برکات سیال بھیرہ میں ایک صاحب حال درویش آیا کرتے تھے۔ ان کی طرف طبیعت راغب ہوئی۔ والد ماجد نے فرمایا کہ بیٹا! خواجہ فروشوں سے کیا لینا چاہتے ہو۔ مٹھاٹی کی اعلیٰ دکان پر پہنچو۔ کچھ بھی نہ لے تو داغ تو خوشبو سے معطر ہے۔ یہ بات سیدھی دل میں اتر گئی۔ ان کے ہمراہ سیال شریف حاضر ہوئے۔ اور حضرت اشرف الاولیاء خواجہ محمد بن رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت اشرف الاولیاء کو آپ سے خاص محبت تھی۔ آپ کا نام اس قدر پیارا تھا۔ کہ اکثر اپنے خاص عقیدہ مندوں کے بچوں کا نام بطور تفاؤل محمد ذکر رکھنے کا ارشاد فرماتے تھے۔ آپ بھی اپنے شیخ کے ایسے جانباز جان نثار عاشق تھے کہ اس کی مثال حمد حاضر میں کہیں نہیں ملتی۔ ہمیشہ عشق و محبت کے دریا میں غوطہ زن رہتے تھے۔ آنکھیں غماز باطنی کا پتہ دیتی تھیں سیال شریف کی حاضری آپ کا سب سے بڑا وظیفہ تھا۔ ایک دفعہ عالم وجد میں ایک میل کے قریب سر کے بل گئے۔

ایک دفعہ لگی میں کوئی شخص گارہا تھا۔ اس کا گانا سنکر عالم وجد میں سر منزلہ عمارت سے کود پڑے۔ اڑلوں سے ثون جاری ہو گیا۔ باقی جسم ضرب سے محفوظ رہا۔ مگر اسی حالت میں بے اختیار دوڑے اور آؤ سیال شریف میں حاضر ہو کر اپنے جذبہ عشق کے لئے تسلی کا سامان حاصل کیا۔

ایک دفعہ طالب علمی کی حالت میں شام کے وقت ایک طالب (سید بہادر شاہ صاحب) کے ہمراہ سیر کے لئے نکلے۔ بھوک لگی ہوئی تھی۔ جامع مسجد سے جنوب مغرب پر ٹہل رہے تھے۔ اسی حالت میں سید بہادر شاہ صاحب نے چند اشعار پڑھے۔ اس قدر جذبہ بیخودی طاری ہوا کہ اسی حالت میں سیال شریف کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ رات بھر میں ساٹھ میل کا سفر طے کر کے دوسرے دن سیال شریف حاضر ہوئے۔ اور حضرت اشرف الاولیاء کے حضور میں خاص فیوض و عنایات کی نعمت سے فیضیاب ہوئے۔

آپ کے عم محترم حضرت الحاج مولانا غلام محمد گبوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر کے آخری دنوں میں آپ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا سلوک ملے کر ارشاد و تلقین پر مامور فرمایا۔ اور اپنا جانشین قرار دیا۔ اس کے بعد ۳۲ سالہ میں آپ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں اپنے شیخ طریقت حضرت اشرف الاولیاء خواجہ محمد بن قدس سرہ العزیز سے مجاز ہوئے۔ ہزار ہا طالبین آپ سے مستفیض ہوئے۔ اور نعمت باطنی سے مالا مال ہوئے۔ آپ کی خدمت میں جو بھی حاضر ہوا محروم نہ رہا۔

عام حالات | مصنف برکات سیال دغلام دستگیر خان صاحب بخود تحریر فرماتے ہیں نہ

حسن و جمال، نزاکت و لطافت میں فرو تھے۔ علم و عمل میں کامل، شریعت اور عشق سے بہرہ وافر حاصل تھا۔ شاہی مسجد میں قیام تھا۔ اور میں مجھے آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ پھر

لوگوں کو پنبہ درگوش کردن کی بجائے سینہ درگوش کردن کی فکر ہوتی تھی۔ مگر آپ کا ذوق خوش آوازی کا مقید نہیں تھا۔ فرمایا کرتے کہ اکابر کی نوا و بات ہے۔ جہاں سے ملے سماع ایسا ہی ہے جیسا کہ لڑائی کے وقت باجا بجایا جاتا ہے۔ تاکہ نامردوں کو بھی جوش آجائے۔ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ سماع سننے کے بعد اگر دل شریعت پر پہلے سے زیادہ مستحکم نہ ہو تو ایسے شخص کو ہرگز نہ سننا چاہیے۔

امیرالمعرف اور تلقین میں اگر مولوی صاحبان آپ کی پیروی کریں۔ (اور یہ خود خدا و رسول کے احکام کی پیروی ہے) تو ہرگز زمانہ کے شاکی نہ رہیں۔ بہت تعلیم یافتہ جنٹلمین۔ کالجوں کے طالب علم، دفاتر کے ملازمین اور غریب بیکس بھی آپ کے پاس آتے اور خود اپنی پریشیاں سن کر بڑا نہ مناتے۔ صاف گو تھے۔ لیکن دل آزار نہیں تھے۔ صاف گوئی اور بیعتی میں حد فاصل قائم رکھتے تھے۔ پرنس آف ویز لاہور آئے تو آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ واقعی ڈاڑھی عزت و وقار کی نشانی ہے۔ دیکھ لو۔ ان کے بھی یہ لوگ یعنی بادشاہ اور پادری سب ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ کریم بخش آپ کا ایک مرید بہت عرصہ سے آپ کی خدمت میں آیا کرتا تھا۔ لیکن کبھی کچھ نہیں کہا۔ جب اس کی شادی ہوئی اور وہ مٹھائی لے کر آیا تو متبسم ہو کر فرمانے لگے۔ اب تو شادی بھی ہو چکی۔ اب ڈاڑھی رکھ لو۔ توجہ اور محبت میں محمود و اباز کا امتیاز نہیں تھا۔ ہر ایک بجائے خود یہی سمجھتا کہ مجھ سے بڑھ کر آپ کو کسی سے محبت نہیں۔ مخالف و حقائق اور خصوصاً پیرانِ عظام کا ذکر تو اس چاشنی سے بیان کرتے کہ دل و دماغ پر نقش ہو جاتا۔ صابرو شاہ۔ مرچ و مرچیل، صاحب ذوق، شیریں گفتار، خوش اطوار، حلیم الطبع اور ملنار تھے۔ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے۔ اور دوسرے کے قصوروں سے درگزر کرتے۔ مامت گو اور راستی پسند تھے۔ مبالغہ آمیز گفتگو

اسی مشعل ہدایت کی روشنی میں سیال شریف حاضر ہوا۔ توجہ کی تیزی اس قدر تھی۔ کہ بے دیکھی چین نہیں پڑتا تھا۔ میں اکثر غصے میں حاضر ہونے لگا۔ نہایت خوش مذاق اور خوش مزاج تھے۔ دل اگر ذکر فکر سے معمور تھا تو زبان پیرانِ عظام کے تذکروں سے تر تھی۔ اگر حوصلہ تھی تو یہی تھی کہ عامۃ خلایق خدا و رسول کے احکامات کو حرجان بنائیں۔ اور لالچ تھا تو یہ کہ لوگ عشق مولا میں شکر نظر آئیں۔ اس کے سوا نہ کسی سے مطلب نہ کسی سے کوئی غرض۔ ۱۲-۱۳ سال میں اکثر حاضر ہوتا رہا۔ اور کبھی حاضری میں دیر ہو گئی تو خود تشریف لاتے۔ لیکن اس عرصہ میں کوئی دنیا کی بات یا کسی کی غیبت یا کسی کی برائی میں نے آپ سے نہیں سنی۔ یہ باتیں لکھنے اور پڑھنے میں جس قدر آسان ہیں اسی قدر عمل میں مشکل ہیں۔ آج اگر یہی باتیں تمہاری شاندار معاشرت اور تمہاری علمی سوسائٹی سے نکال دی جائیں۔ تو تمہاری محفل کی ساری رونق سرد اور تمہاری زندہ دلی سب کا فور ہو جائے۔ منکر و فحش سے آپ کی زبان آلودہ نہیں ہوئی۔ گھر کے کاروبار سے بے تعلق تھے۔ مولانا مولوی محمد یحییٰ صاحب جب تک لاہور رہے بڑے خوش رہے۔ کیونکہ سارا انتظام انہیں کے سپرد تھا۔ کبھی ہفتہ عشرہ کے بعد گھر جانا ہوتا تھا۔ کالج کا وقت نکال کر مسجد میں رہا کرتے تھے۔ اگر کبھی وہاں سے نکلتے تو کسی درویش سے ملنے کو یا کسی حزار پر فاسحہ پڑھنے کے لئے۔ کہیں سن لینے کہ کوئی درویش باہر سے آئے ہوئے ہیں تو جا کر ان سے ملنے۔ کچھ دیر بیٹھتے۔ پھر ان سے صحبت، پیر اور محبت خدا و رسول کی دعا کرنا اور واپس ہوتے۔ دانا گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مرقد مبارک پر اکثر جایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بزرگ نفی و اثبات کا سبق خوب سمجھنے کا دیتے ہیں۔ ابتدا میں بہت اضطراب رہتا تھا۔ مگر یہ آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔ ذوق سماع بہت تھا۔ اور اس قدر کہ کثرت آواز والوں سے بھی سن لیا کرتے تھے۔ کہ ہم

شیخ کا ردپ اختیار کر کے خنافی الشیخ کے مقام پر فائز ہو چکے ہیں۔ شاید یہ ملاقات آخری نہ ہو۔

سیال شریف سے واپسی کے بعد ۷ ربیع الاول کو مدرسہ حمیدیہ میں تمام طلباء کو کتا میں لائبریری میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ مدرسہ میں تعطیل کا اعلان فرمایا۔ مدرسہ کے تمام ضروری کاغذات مکمل کر کے انجمن حمایت اسلام کے کارکنوں کے پاس بھیج دیئے۔ طلباء نے حضرت ممدوح سے عجیب غلاف توقع سرگرمیوں کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے بہادر شاہ ظفر مرحوم کا یہ شعر پڑھا۔

دمدوموں میں دم نہیں غیرانگو جان کی
بس ظفر اب چل چکی تلوار ہندوستان کی

۸ ربیع الاول بروز جمعہ بارسہ بخاریا ہوئے۔ مولوی محرم علی صاحب چشتی ایڈوکیٹ عیادت کے لئے حاضر ہوئے۔ فرمایا۔ چشتی صاحب! مجھ کے دن ہم بمیرہ پہنچ جائیں گے۔

بمیرہ سے حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب حاضر ہوئے۔ ڈاکٹر اللہ بویا و دیگر نامور اطباء انتہائی تندہی سے علاج محالہ

میں مصروف ہے۔ بروز بدھ مورخہ ۱۳ ربیع الاول بزرگان دین و سلف صالحین کے ارواح طیبہ کی تشریف آوری کی اطلاع دیتے ہیں۔ بوقت عصر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ فرمایا کہ اٹھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لارہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی

مکان خوشبو سے بھر گیا۔ اور حاضرین پر رقت و بخیر دی کا عالم طاری تھا۔ آپ نے اپنے عم زاد بھائی مولانا محمد شفیق صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور غزنی میں ایک فصیح و بلیغ تقریر فرمائی جس میں تصوف کے باریک مسائل۔ عالم برزخ کے لئے تیاری اور

مطلوب حقیقی کے وصال کی تمنا کا اظہار فرمایا۔ آخری لفظ جو زبان مبارک سے نکلے وہ الفضل والصبر تھے۔ بعد ازاں چارپائی پر رو بقیہ لیٹ گئے۔ پاس انفاس اور ذکر میں شاغل رہے۔

سے پرہیز کرتے۔ لیکن آپ کی زندگی کا نمایاں پہلو تھا عشق پیر۔ اور الفاظ مبارک حضرت ثانیؒ ”عشق در سینہ بود۔ درسی نہ بود“

یہ لکھنے پڑھنے میں نہیں آ سکتا۔ نماز کبھی مضطرب کے عالم میں بھی ادا کیا کرتے۔ اور کبھی نہایت سکون سے بھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ نماز میں حزمہ اور بد مزگی پر نظر نہیں رکھنی چاہئے۔

باس سفید اور اجلا زیب تن کرتے۔ ہاں کبھی کبھی میلہ بھی ہو جاتا تو پہنے رکھتے۔ ایسا موقعہ شاذ و نادر ہی پیش آتا تھا۔

پہلے سر کے بال چھوٹ کے رکھتے تھے۔ لیکن بعد میں منڈوا دیئے۔ ابھی بڑھاپے کا آغاز بھی نہیں تھا کہ بلوا لایا گیا۔ تب غم نے

گوشت میں ہڈیاں تک نہ چھوڑیں۔ بستر گر پر غزل سنی۔

”آسودہ دلا سال دل زار چہ دانی“

آپ سے ہزار ہا کرامات و خوارق عادات کا ظہور ہوا۔ جن کی تفصیل کے لئے دفتر عظیم درکار ہے۔

وفات

۱۹ صفر ۱۳۳۷ھ کو بمیرہ میں رونق افروز ہوئے۔ بروز جمعہ جامع مسجد میں قلاً اُفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (اللہ)

کی تغیر بیان فرمائی۔ موت و حیات کا سلسلہ بیان فرما کر وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى پر مدلل تفر فرمائی۔ بعد ازاں تمام عقیدہ مندوں اور

احباب کو فرما فرما کر الوداع فرماتے ہیں۔ مورخہ ۲۰ صفر ۱۳۳۷ھ بعد نماز فجر مولانا ظہور احمد صاحب گوجی کو اپنے پاس بٹھا کر چار

گھنٹہ تقریر فرمائی۔ جس میں عقائد اہل سنت و الجماعت اور صوفیاء کرام کے طریقہ پر ثابت قدم رہنے کی وصیت فرمائی۔ اور الحاد و

دہریت اور لامذہبیت سے بیزاری کی تلقین کی۔

۲۲/۲۳۔ ۲۴ صفر کو بمقام سیال شریف بموقعہ

عرس مبارک حضرت خواجہ شمس العارفین قدس سرہ العزیز حاضر ہوئے۔ خلفائے نامدار اور صاحب دل بزرگوں نے آپ کی رفتار

گشتار کو الوداعی تصور کیا۔ حضرت صاحبزادہ مولانا خواجہ محمد عبد العزیز صاحب پچا پڑوسی نے فرمایا کہ صورت و سیرت میں اپنے

انسان اور تکمیل نفس

(ادارہ)

انسان خلاصہ کائنات، فطرت کی بہترین صنعت، قدرت کا شاہکار اور کامل و مکمل مخلوق ہے۔ خالق کائنات کی یہ پیاری اور بہترین ہستی بہترین اجزاء سے مرکب ہے۔ اسے اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کائنات میں صرف وہی عقل، فہم، شعور اور جذبات کا مالک ہے۔ اسے حسن و قبح کا احساس اور نیک و بد کی تمیز کا مادہ بھی دیا گیا ہے۔ جس چیز سے اسکو ایذا پہنچتی ہے وہ بالطبع اسکو اپنے حق میں اور جملہ دی کے جذبہ وقاعدہ کی رسمے دوسروں کے حق میں بھی بڑا بھگتا ہے۔ اور جس چیز سے اسکو راحت پہنچتی ہے اسکو بھی وہ اپنے اور دوسروں کے حق میں مفید اور بہتر بھگتا ہے۔ حسن و قبح کا یہی احساس اور دفع مضرت و جلب منفعت کا یہی جذبہ سیاست و تمدن کے لئے اساسی و بنیادی چیز ہے۔

انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ جسم اور روح۔

جس قدرت فیاضہ اور حکمت بالغہ نے یہ دونوں چیزیں ہمیں مرحمت کی ہیں اسی نے ان دونوں کی صحت و بقا، تربیت و پرورش اور نشو و ارتقاء کا سامان بھی کیا ہے۔ باری تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ہیکل جسمانی کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔

اس لئے محض اپنے نفس عمیم اور لطف کریم سے اس ہیکل کے صحت و بقا اور نشو و نما کے لئے ہر طرح کے سامان ہمارے ارد گرد پھیلا دیئے ہیں۔ ہمارے مادی ڈھانچے کے لئے جن جن

چیزوں کی ضرورت ہے۔ ان کے مہیا کرنے میں کوئی بخل اور کمی نہیں کی گئی۔ پھر اسی نے ہمارے اندر ایسی فکری صلاحیتیں اور عقلی قوتیں بھی ودیعت فرمائی ہیں۔ جنکی رہنمائی و مدد سے ہم مادی کائنات کی تمام چیزوں پر اپنا تسلط قائم کر سکتے اور ان سے کام لے سکتے ہیں۔ سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ جس پروردگار نے ہمارے فانی جعبوں اور تباہ ہو جانوالے ڈھانچوں کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔ کیا اس خالق القوی و القدر نے ہماری روحوں کی صحت و بقا، نشو و نما اور خلاص و ارتقاء کے لئے کچھ نہیں کیا؟ ان کو تباہ و برباد ہونے کے لئے یوں چھوڑ دیا ہے؟ اور باطن، شقی اور سیاہ جیسے کے ان انسانوں کو نظر انداز کر دیئے جنہوں نے یہ تو سمجھ لیا کہ اس دنیا میں کیا کیا چیزیں ہیں جنکو انسان اپنے قبضہ و تصرف میں لاکر محض مادی راحت و آسائش اور عیش و تنعم کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ان کے نزدیک تو انسان محض مادہ ہی مادہ ہے۔ اول بھی مادہ آخر بھی مادہ، ظاہر بھی مادہ اور باطن بھی مادہ۔ جلد ہو کیو مادہ ہی مادہ۔ ایسے پاگلوں اور احمقوں کو مادہ میں فنا ہو جانے کے لئے چھوڑ دیئے۔ اس لئے کہ وہ اپنے خالق اصل اپنے نفس کی بابت کچھ نہیں جانتے۔ اور نہ جانتا چاہتے ہیں۔ البتہ وہ لوگ جنکو باری تعالیٰ نے غیر محدود و نامعہ مستقیم نظر، عقل جہاں بین اور حقیقت شناسی و انصاف پسندی کا ذوق عطا فرمایا ہے۔ جو رمج کے بھی قائل ہیں۔ ان سے سوال ہے کہ خود فرمائیے۔ کیا ہمارے خالق نے

تو بہر ان پر ترقی و کامیابی کی تمام راہیں کھل جاتی ہیں، مروج و معبود کی تمام مادی و روحانی منزلیں ملے ہو جاتی ہیں۔ اور انسان منصف و خلافت و امامت پر فائز ہو جاتے ہیں۔

اخلاق و روحانیت کا مفہوم | اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ طبعی زندگی سے

چشم پوشی کر لی جائے۔ اور نفسانی خواہشات و جذبات کو کچل دیا جائے۔ بلکہ وہ طبعی زندگی اور نفسانی خواہشات و جذبات پر قابو رکھا جائے۔ ان کو ان کی حدود میں محض و شرع کی راہ پر چلایا جائے۔ اور ان سے جائز طور پر کام لیا جائے۔ جب خواہشات و جذبات پر قابو رکھا جائے اور ان سے ٹھیک ٹھیک کام لیا جائے تو بہر انی کا نام محاسن اخلاقی ہو جاتا ہے۔ اور جب ان اخلاقی خوبیوں میں بطریق احسن توازن قائم ہو جائے تو اسی کو روحانیت کے نام سے موسوم کر دیا جاتا ہے۔

اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ معیار اور وہ توازن جو نفسانی خواہشات و جذبات کو محاسن اخلاق اور بہر روحانیت میں تبدیل کرے کونسا ہے؟ اور کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ سو اس کا جواب قرآن حکیم یوں دیتا ہے۔ **الَّتِي تَطْعَمُونَ فِي اللَّيْلِ وَالْأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ**۔ اس (رحمن) نے توازن قائم کیا تاکہ لوگ بھی وزن میں تجاویز نہ کریں۔ اور انصاف کے ساتھ توازن کو قائم رکھیں۔ اور اس میں کسی بیشی نہ کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ معیار انصاف اور توازن اعتدال و میاندروی ہے۔ افراط و تفریط اور ظلم و عدوان سے بچنے میں اخلاق و روحانیت کا کمال پوشیدہ ہے۔ مثلاً دنیوی زندگی کی تفریط و ہمنانیت ہے اور اس کی افراط مغرب کی مادیت اور اعتدال و توازن یہ ہے کہ مادی زندگی کو قائم رکھنے اور مقصد زندگی کو حاصل کر سیکھنے متاع دنیوی سے استفادہ لازمی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک نے مادی و جسمانی ضروریات سے گذر کر راحت و آسائش اور زیب و زینت وغیرہ کے ساز و سامان کے متعلق صرف توازن کے قہرلی پر ہی قضا

کر قوموں کی زندگی میں بڑا وزن حاصل ہے۔ یہ عروج و صعود میں بڑا مفید کام کرتے ہیں۔ ہر تہذیب کے یہ لازمی اجزاء ہیں۔ لیکن جو تہذیب ہدایت الہی، عدل و انصاف، بریت و مساوات، نظم و ضبط اور محکم اخلاقیات پر مبنی نہ ہو اس تہذیب کی ہلاکت و بربادی یقینی ہے۔ محض طبعی زندگی کی حفاظت کو منتہائے نگاہ بنا لینا بھی غلط اور ہلاکت آفرین ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس طبعی زندگی کے حفظ و بقا اور لوازم سے چشم پوشی کر کے محض اخلاقی و روحانی ترقی و نجات کے لئے بزم خویش سعی و کوشش میں زاویہ نشینی اور سرسری اختیار کر لینا بھی قانون ارتقاء کی رو سے گمراہی، غلط اندیشی اور بربادی ہے۔ بری رہبانیت بھی غلط اور برباد کن ہے۔ اور خوب کی مادیت بھی غلط اور برباد کن ہے۔ بنی نوع انسان کی فلاح و کامرانی ان دونوں کے صحیح امتزاج و توازن پر منحصر ہے۔ یہی الہام کی وہ بنیادی خوبی، کمال اور حسن و جمال ہے جس کی وجہ سے وہ تمام مذاہب عالم پر فوقیت و برتری رکھتا ہے۔

حاضر کے انسانوں کو آج جس چیز کی شدید ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ انکے پاس کوئی ایسا توازن اور معیار ہو جو ان کے فطری جذبات کو قابو میں رکھے۔ اور ان کو اخلاق کے عرش بریں تک پہنچا دے۔ انسانوں کی فلاح اس امر میں ہے کہ وہ ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت سے اپنی عقل، اپنے ضمیر اور اپنی قوت ممیزہ کو خوب ترقی دیں۔ اور اپنے اندر اعلیٰ و پاکیزہ احساسات جذبات پیدا کریں۔ زندگی کا دار و مدار ہی خواہشات و جذبات پر ہے۔ اگر خواہشات و جذبات کی اندھا دھند پیروی کی جائے جیسی کہ ہر دہی ہے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ ظلم و فساد و دہشتاوی و بربادی کی صورت میں نکلتا ہے۔ مگر جب ان کے سامنے اسلام کی صراط مستقیم رکھ دی جائے اور نفس سرکش کے منہ میں تقویٰ کا لگام دیدیا جائے۔ وہ زندگی کے تمام معاملات و مسائل ہدایت الہی کی روشنی میں طے کرنے لگیں اور وہ اسلامی عبادات کے ذریعہ اپنے نفس کو مصطفیٰ و مہذب بنالیں

نہیں کی۔ بلکہ زینت اللہ اور ”الطیبات من الرزق“ سے گریز کر غیوالوں پر عتاب فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ روحانیت کے بلند سر بلند مقام تک میں ان چیزوں سے گریز جائز نہیں۔

اسلام چاہتا ہے کہ اس کے پیرو حدود اللہ کے دائرہ میں رہ کر اپنی مادی و جسمانی ضرورتوں کو بھی پورا کریں اور اپنی اخلاقی و روحانی ضرورتوں سے بھی تغافل نہ برتیں۔ دین و دنیا دونوں کے مالک بنیں۔ دراصل اس کا مقصد مومنین و صالحین کی ایک ایسی جماعت اور ایک ایسی امت مسلمہ تیار کرنا ہے جو انسانی تمدن و سیاست کو خیر و صلاح کی بنیادوں پر تعمیر کرے۔ اس غرض کے لئے وہ ضرر و اجتماعی اصول وضع کرنے اور ان اصولوں کی بنیاد پر ایک نظام تمدن بنادینے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ اپنے افراد کی تعلیم و تربیت

کا بھی انتظام کرتا ہے تاکہ ہر ہر فرد اپنے خیالات، اپنی سیرت اور اپنے کردار کے لحاظ سے نظام جماعت کے استحکام کا مستحق ہو۔ وہ اپنے ہر فرد کے اندر ایسی روح بھونکتا ہے کہ وہ ماسوی اللہ کی اطاعت و بندگی سے اعتقاداً و عملاً منکر ہو جائے۔

مگر محمد حاضر کے مسلمانوں کی یہ انتہائی بدبختی اور محرومی ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی اسلام کے حوالہ نہیں کرتے۔ تہذیب نفوس کا فکر و اہتمام نہیں کرتے۔ اور اسلام کے اصولوں کی پابندی کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ بھی انہی غلط افکار و اعمال میں گرفتار ہیں جن میں مادہ پرست قومیں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دیں کہ وہ شعوری اور باعمل مسلمان بنیں +

کرنے اور جائداد و املاک کو ہاتھ لگانے کا حجاز نہیں۔ یہ انسان کی فطری کمزوری ہے۔ کہ جب اس کے اغراض و مفاد خطرہ میں ہوں تو وہ بھلا اٹھے۔ اپنے حقوق کی حفاظت و مدافعت کیلئے جان کی بازی لگادے۔ اور ستر بجلی پر کھڑک میدان میں نکل آئے۔

لیکن اکویتی ہرگز ہرگز محال نہیں کہ خدا و رسول کا نام نہ پڑائیں۔ شریعت کو مایہ پڑا اطفال بنائیں۔ مذہب کو کلا کے طور پر استعمال کریں۔ اور اپنی ناجائز منفعتوں اور خواہشوں کو تحفظ کیلئے مقدس اسلام کا نام بدنام کریں۔ اور دنیا میں لاندہمی و اکثریت پھیلنے کا راستہ صاف کریں +

حقیقۃً ص ۳۲۔ ایک سیکڑ کیلئے ہاتھ باہر نکالتا ہوں تو وہی شدت کی تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔ اب چونکہ ہر وقت کی مصیبت ہے۔ اس لئے میں نے یہ سائنس لکھی ہے کہ اپنے گلے میں دہی کی بالٹی لٹکا رکھتا ہوں۔ اور سینے ہاتھ محفوظ رکھتا ہوں۔ تو..... جناب! یہ ہومیری اس عجیب غریب حالت کی داستان۔ مجھ پر ان بزرگ کی آپ بیتی کا بڑا اثر ہوا۔ واقعی عبرت انگیز قصہ ہے۔ سو اگر صاحب کیان ہے، کہ اس تکلیف کا احساس صرف وہی کر سکتا ہے جسکو دشمنوں دور اس مصیبت سے پالا پڑا ہو۔ اور ان کا خیال ہے کہ تمام دنیا میں شاید وہی ایک ایسے شخص ہیں جن کو یہ تکلیف پیش آئی ہے۔

سو اگر صاحب قویہ واقعہ سنا کر چلے گئے۔ اور میں یہ سوچتا رہ گیا کہ جب سوداگر کی انگلیوں میں اس بچے کو صرف ایک لمحہ کیلئے ہاتھ لگا سے اتنی زبردست تکلیف ہو گئی تو اس غریب مرنے کا کیا شہر تو ہو گا۔ جس کے تمام جسم پر اس قسم کے سبے شمار بچے چڑھ کر رہ گئے تھے۔

فاعتبر و یا اولی الابصار + دیکھ کر یہ نقاد

بقیۃ ص ۳۳۔ دولت پر خود قبضہ کئے بیٹھے رہیں۔ بیشمار افراد بھوکے مرتے رہیں۔ انفرادی ملکیت کے ہوا کی رٹ لگا کر غریبوں اور مزدوروں کی مخالفت پر تل جاتیں تو یہ بھی کر سکتے ہیں۔ ان پر کوئی جبر و سختی

سرخ نشان

دائرہ میں سرخ نشان سلطان چنہ شہنشاہ ہونہی علامہ مستقیم۔ آئندہ ماہ کا رسالہ بذریعہ دی۔ پی ارسال ہو گا جسکے ناظر اخبارات سے اپنے کیلئے بہتر صورت میں ہے کہ آپ اپنا چنہ بذریعہ معنی آڑو پھینچیں غریب داری منظور ہو تو اطلاع دیں۔ خدا را دی۔ پی واپس فرما کر ایک اسلامی اعلیٰ کے ناظر نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت کرتے وقت خود پداری غریب کا حوالہ ضرور دیں +

(غلامرحسین مہدی)

دولت مند فقیر

(از جناب نضر صاحب نیازی)

کچھ ملٹتے تھے اور لڑکھا تانچہ تھا۔ اور بار بار اچک کر بالٹی کے اندر بڑے میاں کے ہاتھ کو دھجھکتا تھا۔ انکی ماس بالٹی کا دکان کے سب ملازموں ایک تماشہ بنا لیا۔ پندرہ منٹ کے بعد جب میرے بچے ہوتے ہیں چلے تو میں دکان سے باہر نکل آیا۔ میری موٹر باہر کھڑی ہوئی تھی۔ اس میں سوار ہو گیا۔ بیٹے میاں ابھی تک اندر دکان میں ہی تھے۔ مجھے انکے باہر آنے کا بہت انتظار تھا۔ ڈرائیور روانہ ہونے لگا۔ تو میں نے اسکو منع کر دیا۔ اور وہیں دکان کے سامنے موٹر کھڑی رکھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بزرگ بھی فہم ہو کر دکان سے باہر آگئے۔ اور ایک طرف کو چلنے لگے۔ میں جلدی سے اتر اور بیٹے میاں کے قریب جا کر مکر سلام کیا۔ انہوں نے نہایت غصہ پیشانی کے ساتھ میرے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد میں کہا اگر آپ کو کچھ اعتراض نہ تو میں پانچ منٹ آپ کے باقیں کرنا چاہتا ہوں۔ پچھاروں بڑی خوشی کے ساتھ منظور کر لیا۔ اور میری موٹر میں آ بیٹھے۔ میں اجازت لیکر انکو اپنے مکان پر لے آیا۔ وہ بچوں کیلئے اک تماشہ ہو گئے تھے۔ لیکن میں بچوں کو آنکھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ وہ سب زمانہ مکان میں چلے گئے اور جب تنہا انکے پاس گیا تو اپنا مطلب ظاہر کر دیا۔ یعنی یہ کہ آپ نے یہ بالٹی اپنے گلے میں کیوں لٹکا رکھی ہے۔ اور اس پر آمیزہ ہی میں آپ نے اپنا ہاتھ کیوں ڈبو رکھا۔ انہوں نے مجھے سر پائل تک دوبارہ دیکھا اور فرماتے گئے کہ میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ آپ میری اس عجیب و غریب حالت کیوجہ دیافت کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے ان کے فقرہ سے کچھ نہایت تو محسوس ہوئی۔ لیکن میں نے دوبارہ کہا کہ آپ کی اس عجیب اور دلچسپ کیفیت سے میں حیران ہو گیا تھا۔ اور یہی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں بیٹے میاں کچھ آزدہ ہو گئے۔ لیکن میرے حافی مانگنے پر انہوں نے بتایا کہ مجھے آپ کے سوال کر نیسے کوئی رنج نہیں پہنچا۔ بلکہ اس بات کا فائدہ ہے کہ ایک راز ہر جسکو سوائے میرے آج تک کوئی نہیں جان سکا۔ اور آج میں اسکو ظاہر

عید کے پانچ پھر روز باقی تھے۔ میں بچوں کو ساتھ لے ہوئے چاندنی ہوک بازار میں ایک ہوتے والے کی دکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ دکاندار بچوں کو ہوتے پسند پا تھا۔ کہ لٹنے میں ایک نہایت ہی خوبصورت لوزانی پھر کے بزرگ بھی تشریف لائے۔ ان کی ظاہری حالت اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کسی امیر گھرانے کے فرد ہیں۔ ان کا لباس بھی لٹکے صاحب ثروت ہونیکا ثبوت تھا۔ لیکن ایک نہایت ہی دلچسپ اور عجیب بات یہ تھی کہ انکی گردن میں ایک بالٹی لٹکی ہوئی تھی جس میں کناروں تک ہی بھرا ہوا تھا۔ اور اس دہی میں برف کے کچھ ٹوٹے ہوئے ٹکڑے بھی پڑے ہوئے تھے۔ اور ان بڑے میاں نے اپنی فہمنے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں اس دہی میں ڈبو رکھی تھیں۔

مجھے عجیب و غریب خیالات دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ سنبھل کر بھی ان بزرگ کی یہ تمیزانہ کیفیت دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ دکان دار بھی بچوں کو جو نہ پسندانا بھول گیا۔ اور بڑے میاں کی اس ہنست کذا کی کو خوب کے ساتھ دیکھنے لگا۔ میں نے اشارہ سے بچوں کو ہنسنے سے منع کر دیا۔ لیکن خود میری کیفیت یہ تھی کہ باوجود انتہائی کوشش کے اپنی مسکراہٹ کو مخفی نہ رکھ سکا۔ بڑے میاں نے مجھے غور کے ساتھ دیکھا اور گردن نیچی کر لی۔ مجھے اپنی اس ناشائستگی پر بڑی نہایت ہوئی۔ تاہم میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس آخری عمر میں جناب کو اس دلچسپ کلت کا شوق کیوں پیدا ہوا۔ اور اسکا مقصد کیا ہے؟ انہوں نے اتنے ہی اول تو سچا دل طرف دکان کے اندر وہی حصوں پر ایک نگاہ ڈالی۔ اور ایکے بند دکاندار سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ جہاں سے پیر کا ایک پیٹ پمپ لاؤ۔ دکان کا دوسرا ملازم انکی طرف مخاطب ہو گیا۔ اور انکی حسب مرضی طرح طرح کے ہوتے دکھانے لگا۔ لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ ملازم کو حیرت ہے۔ اور انکی تصدیق یوں ہوئی کہ بڑے میاں

پچھے پیچھے چپ چاپ جا رہا تھا۔ فقیر مسجد میں پہنچا ایک کوہ میں بیٹھ گیا۔ غالباً تھک گیا ہوگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے مسجد کے حجرہ کا تالا کھولا۔ اور اپنی لکڑی سے لکڑی کے چاروں کوٹے ٹھٹھے۔ اس حجرہ میں میں بھی چپ چاپ اس حجرہ کے اندر داخل ہو گیا۔ اور فقیر کی لکڑی سے بچتا بچاتا ایک کوٹے میں خاموش کھڑا ہو گیا۔ جب فقیر کو یہ یقین ہو گیا کہ اندر کوئی نہیں ہے

تو اس نے ایک بہت بڑی نانڈ کو سرکایا۔ میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نانڈ کے نیچے زمین میں ایک اور گہری نانڈ کھدھی ہوئی تھی۔ اور اس میں صرف روپے ہی روپے بھرے ہوئے تھے۔ اسکے بعد اس نے دوسری نانڈ کو سرکایا۔ اس میں چوتھیاں تھیں۔ اسکے بعد ایک اور نانڈ اس سرکائی اسمیں اکتیاں ہی اکتیاں تھیں۔ اسکے بعد بیسوں والی نانڈ کھولی اس میں سب پیسے ہی پھیرے تھے۔ فقیر نے الگ الگ سب میں کچھ سکٹے ملے اور بدستور انکو بند کر دیا۔ اب آپ سمجھتے میری حیرت کی اس وقت کیا حالت ہوگی۔ کہ ایک فقیر نور بھر بھیک مانگنے والا اور اسکی جمع کی ہوئی اتنی کثیر دولت اور پھر بھی وہ بیٹھے پائے پتھر گذر کر رہا ہے۔ میں عیش عیش کر رہا تھا۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ دنیا میں بعض بھیک مانگنے والے فقیر بھی بڑی دولت کے مالک ہوتے ہیں۔

میں بدستور اس حجرہ کے اندر کھڑا رہا۔ فقیر نے پھر حجرہ کو پیلے کی طرح

چاروں طرف اپنی لکڑی سے ٹھٹھا۔ جب وہ لکڑی میری طرف لایا تو میں دوسری طرف بچ گیا۔ اور جب اس نے اطمینان کر لیا کہ اندر کوئی نہیں ہے۔ تو باہر نکل کر تالا لگا دیا۔ اور غالباً اسکے دروازہ پر اپنا بستر چادیا ہوگا۔ کیونکہ میں اندر بیٹھے بیٹھے اسکے سانس کی آواز سن رہا تھا۔

میں نے نہایت خاموشی اور احتیاط کیا ساتھ ٹٹول کر اس کا تمام رویہ اور ریزگاری وغیرہ سب ایک جگہ جمع کی اور اپنا صاف تالا کر سب اسکی ایک گھڑی بنالی۔ مگر وہ بہت زیادہ وزنی ہو گئی۔ آپ دیکھتے ہیں میرا جسم بظاہر بہت مضبوط ہے۔ لیکن مجھ سے وہ گھٹھڑی پوری طرح نہ اٹھ سکتی تھی۔ تاہم مجھے تو اپنا کام پورا کرنا تھا۔ وہ گھٹھڑی تیار کر کے میں ایک کوہ میں بیٹھ گیا۔ اور دوبارہ حجرہ کے کواٹ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ کوئی دو بجے کے قریب یا تو فقیر کو کچھ شبہ ہو گیا تھا۔ یا بہت ممکن ہے وہ رات کو اٹھ کر

کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہوں۔ بہر حال بڑی جتنوں کے بعد میں نے ان وعدہ کیا کہ اگر اسکے اظہار میں آجکی کوئی بدنامی ہوئی تو خدا گواہ ہے میں کبھی کسی نہیں کہوں گا۔ آپ نہایت اطمینان کیساتھ مجھے بنا دیجئے۔ انہوں نے کہا خیر جب ظاہر ہی کرتا ہوں تو مجھے کیا۔ آپ کسی سے کہیے یا نہ کہیے۔ میں سنائے دیتا ہوں۔ سنیے۔

میں ایک بہت بڑا بنا رہیوں۔ اور اس وقت مختلف شہروں میں میری چھ بڑی بڑی دکانیں ہیں۔ میں ہمیشہ سے دہلی میں رہتا ہوں۔ یہاں بھی ایک دکان ہے۔ میں ایک دفعہ فتح پور کی بازار سے پیدل گذر رہا تھا۔ کہ ایک مسلمان فقیر لب شرک ایک پیسہ کا سوال کرتا ہوا نظر آیا۔ وہ اندھا تھا۔ اور اسکے جسم پر باوجود سخت سردی کے ایک پھٹا ہوا کرتا تھا۔ اور ٹانگوں میں گھٹنوں تک ایک بوسیدہ جاگزیہ سا پتہ پتہ تھا۔ مجھے اسکی شکستہ حالت پر رحم آیا۔ اور میں جیسے ایک چوٹی نکال کر دیدی۔ اور کہا اٹھے میاں یہ تو بھلا اس وقت کہا نیکیو بھلا۔ اب شام تک کسی سے سوال نہ کرنا۔ اس نے مجھے ہزار ہا دعاؤں دیں۔ اور اٹھ کر ایک طرف کوچ کر دیا۔ میں تھوڑی دیر تک اس فقیر کو دیکھتا رہا۔ یہ معلوم کر نیکے لئے کہ وہ اب بھی کسی سے سوال کرتا ہے یا نہیں۔ مگر میں دیکھا کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد اس نے پھر سوال شروع کر دیا۔ میں اسکی یہ لالچ کی حرکت دیکھ کر اسے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اتفاق کی تیا کہ اسی وقت ایک پردیسی ادھر سے گذرا اور اس نے اس فقیر کو چپکے سے بہت پیسے دیئے۔ اور کہا۔ لو بڑے میاں آج خوب روٹی کھانا۔ اس فقیر نے پردیسی کو بھی بڑی دعاؤں دیں۔ اور پھر بدستور سوال شروع کر دیا۔ اب مجھے یہ معلوم کر نیکے کی بچپی پیدا ہو گئی۔ کہ آفر ایک فقیر اتنے زیادہ پیسے حاصل کر نیکے بعد بھی کیوں مطمئن نہیں ہوتا۔ میں دگھنے تک اس فقیر کے چاروں طرف ٹٹول رہا۔ اس حجرہ میں لکڑی کوٹنے اس کو پیسے دیئے۔ تقریباً تین بجے وہ فقیر اپنی جھولی وغیرہ ٹھیک کر کے لال کنواں بازار کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے اس فقیر کے لالچ سے یہ شبہ ہوا کہ شخص یقیناً رویہ جمع کرتا ہوگا۔ یا شراب خوری وغیرہ کی عادت ہے۔ بہر حال اس گذار کے پیچھے پیچھے ہو گیا۔ وہ اجیری دروازہ اور کناٹ پلےس ہوتا ہوا شاہی زمانہ کی ایک دیوان مسجد میں پہونچا۔ میں اسکے

میں اپنی دولت کا جائزہ لیتا ہوں۔ بہر حال اس نے مجھ کا دروازہ کھولا۔ اور بتور سابق اپنی لکڑی سے مجھ کے چاروں کونے ٹٹولے۔ مجھے اس عرصہ میں باہر نکھنوں کی جگہ مل گئی۔ اور میں وہ گھڑی لیکر چپ چاپ بے پاؤں حجرے سے باہر نکل گیا۔ اور سیدھا اپنے مکان کا راستہ لیا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے راستہ میں کسی نے نہیں ٹوکا۔ اور میں سیدھا اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔ اتفاق کی بات تھی کہ آج اس طرح سنان راستہ مل گیا۔ ورنہ دہلی میں تو رات بھر پولیس والے گھومتے رہتے ہیں۔ بہر حال میں اپنے گھر پہنچ چکا تھا۔ کواڑ کھول دیتے گھر۔ اور میں سیدھا اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ بلکہ ایک نوکر نے تو مجھے بڑی ہیر سنگ دیکھا۔ لیکن کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے اس کے کھانیکو بھی انکار کر دیا۔ اور صبح تک مجھے ان عجیب و غریب واقعات کے سبب نیند بھی نہ آئی۔ یہاں میں یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اب تک میرے دل میں خدا بہتر جانتا ہے کوئی بے ایمانی نہیں آئی تھی۔ بلکہ یہ سوچ مجھ میں اب تک کیا والا علم کس جذبہ کے ماتحت گزرا۔ ورنہ مجھے تو اپنے ہی کاموں سے فرصت نہیں ملتی۔

میں انہی خیالات کی ادھیڑ میں بیٹھا رہا۔ اسی میں دس بج گئے۔ اب مجھے پھر اس فقیر کے حالات دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ میں نے اس کی گھڑی میں سے چار اگتیاں نکالیں اور ان کی مٹھائی خرید کر پھر اسی مسجد کی راہ لی۔ مسجد میں پہنچ کر دیکھا۔ کہ فقیر مسجد کی نالی میں پڑا ہوا ہے۔ اس کے منہ سے کف جاری ہے۔ اور عالم نزع کی طرح سانس لے رہا ہے۔ میں نے جلتے ہی آواز دی۔ ملاں جی..... فقیر کو کچھ حرکت ہوئی اور نہایت ہی مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔ کون ہے؟ میں نے کہا۔ میں ہوں ایک مسافر۔ کچھ کھانیکو لایا ہوں یہ کھا لو۔ وہ بڑی کوشش کر کے اٹھ اٹھا۔ پرانے بیا کی طرح۔ میں نے اس کے قریب جا کر مٹھائی ملے دیدی۔ اس نے کہا بیٹا مجھے بھوک نہیں ہے۔ پھر کھا لوں گا۔ تو جا۔ لیکن میں اصرار کیا۔ تو اس نے مٹھائی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ اور تھوڑی دیر چاکر تھوک دیا مٹھائی کے تھوکتے ہی اس نے سیر پا تھ پکڑ لیا۔ اور کہا میاں صاحب مجھے معاف کرنا میری بیماری کا علاج تمہارے پاس معلوم ہوتا ہے۔ میں پوچھا کیسا علاج؟ کہنے لگا۔ بیٹا بس..... تو زیادہ دیر چپ نہ رہ اور مجھے جلدی تھکے سے جیتے کہاں ہیں۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرے جمع کئے ہوئے

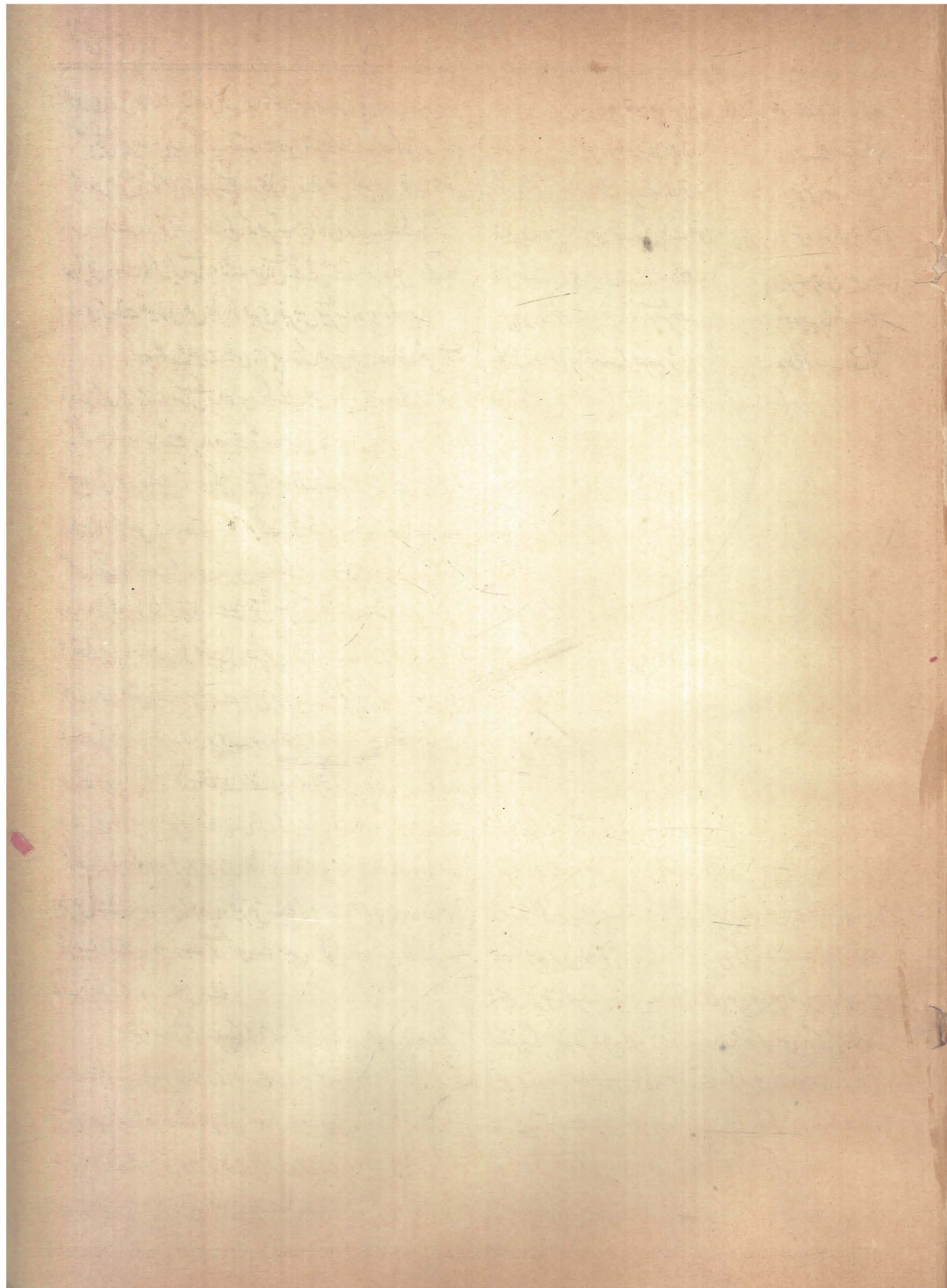
پیسے تیرے پاس ہیں۔ کیونکہ یہ مٹھائی میرے منہ میں نہیں چلتی۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ بیٹا..... میں آج تک اپنے پیسے سے کوئی چیز خرید کر نہیں کھائی۔ اور اگر خریدی ہر تو وہ میں کھا نہیں سکا۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ میرا سب کچھ سیر پاس ہے۔ اور یہ مٹھائی بھی یقیناً اسی میں سے خریدی ہے۔ مجھے بڑا تعجب تھا۔ مگر میں نے فوراً ہی فقیر سے کہا کہ بڑے میاں تم پریشان نہ رہنا۔ تمہاری دسویں میرے پاس ہے۔ اور محفوظ ہے۔ فقیر نے فوراً کہا بیٹا!..... تو جتنے کی مٹھائی اس میں لایا ہے وہ دام اس میں دوبارہ شامل کر دیجو۔ میں نے وعدہ کر لیا۔ اور اس بڑے فقیر نے بڑی بددلی سے وہ مٹھائی کھائی۔ اور میرا اصرار پر شہر میں میرے مکان پر رہنا منظور کر لیا۔ کیونکہ میں وعدہ کر لیا تھا کہ تمہاری دولت محفوظ رہے گی اور تمہارا پورا خرچ میں برداشت کروں گا۔ اب بڑے میاں میرے مکان کے بیرونی حصہ میں پہنچ گئے تھے۔ لیکن سولے میرے اس راز کو کوئی نہیں جان سکا۔ میں اپنے نوکروں سے تاکید کر دی تھی کہ ان بڑے میاں کو کوئی تکلیف نہ ہونے دینا۔ یہ ہمارے ہاں مستقل ہا کرینگے۔ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ انکی تمام دولت سیر پاس محفوظ تھی۔ اور اب میں انکی اجازت سے ریزگاری شروع کر کے تمام رقم روپوں کی صورت میں کر کے محفوظ کر دی تھی۔ ان واقعات کو کوئی چھ سال ہو گئے۔ ایک مرتبہ مجھے اپنے کاروبار کیلئے روپے کی ضرورت ہوئی تو میں بڑے میاں سے تذکرہ کیا اور کہا کہ اگر میں آپ کے روپے میں سے تھوڑا سا روپیہ لے لوں تو کیا حرج ہے۔ انہوں نے بطور قرض لینے کی اجازت دیدی۔ اور پھر بہت جلد رقم پوری کر دینے کا وعدہ لے لیا۔ میں حسب ضرورت ان کے روپے میں سے کچھ روپیہ لیکر اپنا کام چلا لیا۔ اور اس کے بعد جب میری ضرورت رفع ہو گئی تو ایک دن بڑے میاں کو اطلاع کر کے انکار روپیہ واپس کر دیا۔ یعنی ان کے روپے میں شامل کر دیا۔ اس کے بعد بھی دو یا تین مرتبہ میں روپیہ قرض لے لے کر اپنا کام نکالا۔ اور پھر رقم پوری کر دی۔ میرے ہاں لے کے کوئی گیارہ سال بعد بڑے میاں کو مرض الموت آدیا۔ آخری وقت تھا۔ میں ان کے پاس پہنچا۔ اٹو کہہ کہ آپ کا یہ آخری وقت ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو آپ کا روپیہ کسی مسجد یا کسی ختم خانہ میں دیدوں۔ اس سے آپ کو بہت ثواب ہو گا۔ کہنے لگے نہیں۔ میں پھر دریافت کیا تو کیا آپ کے نام سے کوئی مسجد یا کھانا یا اور

ایسی ہی کوئی عمارت بنا دوں۔ یا ہواؤ کو تقسیم کر دوں؟ جواب دیا نہیں... میں پھر سوال کیا۔ اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے رپے سے کوئی ایسا کام کر دوں جس سے آپ کو بھی نواب پہنچے اور مخلوق خدا کو بھی نفع ہو۔ جواب ملا نہیں..... اس کے بعد میں دریافت کیا کہ پھر آپ ہی کوئی ترکیب بتائیے کہ آپ کے بعد آپ کی دولت کا کیا کیا جائے؟ بڑے میاں نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں مجھے بتا کر دی کہ اسے تعمیلوں میں بھرا کر میری قبر میں بکیر ساتھ ہی رکھ دینا۔

کیسی عجیب وصیت تھی۔ تاہم اب تک میری نیت مداف تھی میں فیصلہ کر لیا کہ بڑے میاں کے ساتھ ہی ان کے رپے بھی دفن کر دوں گا۔ چنانچہ اگلے دن ٹھکانو سڑے گیا رہے بجے میاں کا انتقال ہو گیا۔ اور علی الصبح انکی تجیز و تکفین کر دی گئی۔ میں اس وقت تک مصلحتاً کسی سوانحی دولت کا ذکر نہیں کیا۔ اور نہ سب کے سامنے انکی قبر میں روپیہ رکھنا مناسب سمجھا۔ کیونکہ اگر سب کی موجودگی میں یہ کام کیا جاتا تو یقیناً کوئی بد معاش دوبارہ قبر کھود کر نکال لیتا۔ اسلئے میں اس دن رات کو تنها قبرستان میں جا کر قبر کھودی اور دروپوں کی تھیلیاں قبر میں ڈالیں۔ اس کے بعد سب تو قبر کو درست کر دیا۔ اور راتوں رات اس کام سے فارغ ہو کر چلا آیا۔ لیکن مجھے اب بھی اس بڑے کی حیرت انگیز زندگی پر تعجب ہو رہا تھا۔ کہ اس نے باوجود اتنی دولت ہونیکے دنیا میں کتنی سخت تکلیف اٹھائی۔ اور مرینگے بعد بھی اپنی دولت سے کسی کو نفع نہ پہونچا سکا۔ یہاں تک کہ مرے وقت بھی یہ وصیت کر دی کہ کفن دفن کا تمام خرچ میں ہی اٹھاؤں اور اسکی دولت کا ایک ایک حصہ قبر میں اس کے ساتھ دفن کر دوں۔ قبر میں اپنے کام سے فارغ ہو چکا تھا۔ اور شکر ہے۔ مجھے یہ کام کرتے ہو کسی نے نہیں دیکھا۔ ورنہ ممکن تھا کہ با معاش لوگ قبر کھود کر روپیہ نکال لیتے۔

بڑے میاں نے کمرے کے کوئی دو حصے کے بعد مجھے اپنے کاروبار کے لئے پھر روپیے کی ضرورت پڑی تو مجھے بڑے میاں کی دولت یاد آگئی۔ چنانچہ میں نے یہ تہیہ کر لیا کہ ضرورت کے لائق قبر کھود کر روپیہ نکال لاؤں گا۔ اور جب میری ضرورت پوری ہو جائیگی تو پھر سب طرح تعمیلوں میں بھر کر روپیے کو قبر میں واپس رکھ دوں گا۔ چنانچہ میں ایک دن رات کو ڈھونچ لائٹ (بجلی کی جیپی روشنی) ساتھ لیکر

قبرستان پہنچ گیا۔ اور قبر کھودنی شروع کر دی۔ جب میں تختے ہٹائے تو قبر کے تعفن سے میرا دلغہ پریشان ہو گیا۔ سخت بدبو تھی۔ مگر مجھے ضرورت سمجھ کر ہی تھی۔ ہزار دقت قبر کے اندر اترا تو میں دیکھا کہ روپیوں کی سب تھیلیاں خالی پڑی ہیں۔ کیسی تعجب کی بات تھی۔ اگر کوئی بد معاش یا ڈاکو لیجا تا تو خالی تھیلیاں ہی کیوں چھوڑتا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے مارچ کی روشنی سے قبر کے دوسرے حصوں میں دیکھا۔ مگر وہیں غائب تھا۔ بیکار میری نظر مردہ کے چہرہ پر پڑی۔ جو کفن ہٹ جائیکے سب ایک نظر نظر آ رہا تھا۔ میں مارچ کی روشنی میں عورت دیکھا۔ تو اس کے لئے پورا تمام چہرہ پر روپیے چسپاں۔ یہ بھی حیرت انگیز معاملہ تھا۔ میں جلدی اس کے کفن کو نیچے سر کر دیکھا تو اس کے تمام جسم پر روپیے چھے ہوئے تھے۔ میں حیرت میں تھا کہ آہی یہ کیا ماجرا ہے۔ تاہم میں ہمت کر کے مردہ کے چہرہ پر روپیے اٹھانے چاہے۔ جوں ہی میرا ہاتھ روپیے پر پڑا۔ ایک ناقابل برداشت سوز سیر ہاتھ میں شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ اسکی تکلیف میری پیچ نکل گئی۔ فوراً میں قبر سے باہر نکل آیا۔ مگر میرے ہاتھ کی ان انگلیوں میں سخت تکلیف تھی۔ جس میں روپیہ کو مردہ کے چہرے چھڑانا چاہا تھا۔ مجھے اس ناقابل برداشت اور شدت کی تکلیف قبر کو دوبارہ بند کرنا دوسر ہو گیا۔ آخر کار ہاتھ کے تاثر اس وقت گھر کی طرف چل گیا۔ مکان کا فی فاصلہ پر تھا۔ مجھے وہاں تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔ کئی بار راستہ میں تکلیف کی زیادتی سے پسینہ آ گیا۔ حالانکہ میں بیماری اور تکلیف کے معاملہ میں پتھر کا آدمی مشہور ہوں۔ مگر اس خوفناک تکلیف میری جان پر بنادی۔ گھر پہنچا تو سب لوگ پریشان ہو گئے۔ مگر میں یہ واقعہ میر بھی کسی سے نہیں کہا۔ یہاں تک کہ صبح ہوئی اور میں ڈاکٹری علاج شروع کر دیا۔ ڈاکٹر نے تکلیف کیوجہ پوچھی تو میں نے صرف یہ بتا دیا کہ تکلیف انگلی میں خود ہی شروع ہو گئی غرض مختصر یہ کہ حکیموں کا علاج بھی کر چکا ہوں اور ڈاکٹری بھی۔ مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ خدا معلوم کس ملای کی تکلیف ہے۔ کہ میری زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ ایک ان اتفاق سے دہی کی لسی بنا رہا تھا۔ اس میں ہاتھ ڈبوئے سے کچھ آرام محسوس ہوا۔ تو اس کے بعد میں یہ شروع کر دیا کہ ہر وقت دہی میں اپنا یہ ہاتھ ڈبوئے رکھتا ہوں۔ اور اس سے مجھے کسی قدر سکون رہتا ہے۔ اور ذرا بھی



رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۶۵۰

نومبر ۱۹۵۷ء